آل پارٹیز کانفرنس

۱۹۲۸

رپورٹ کمیٹی

جو

ہندوستان کی دستور اساسی کی اصول متعین کرنی کی لئی

کانفرنس نی مقرر کی تھی

مع

کاروائی اجلاس کانفرنس منعقدہ لکھنو

۲۸ لغایۃ ۳۱ اگست سنہ ۱۹۲۸ع

ترجمہ اردو

شائع کردہ مکتبۂ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دھلی

رپورٹ کمیٹی
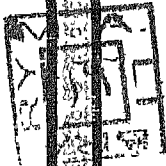
آل پارٹیز کانفرنس

۱۹۲۸ء

(ترجمہ اردو)

اصل رپورٹ جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی الہ آباد نے
شائع کی ، اردو ترجمہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے شائع کیا

فہرست مضامین

بخدمت جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری

صدر آل پارٹیز کانفرنس

جناب صدر۔

میں آپ کی خدمت میں اُس کمیٹی کی رپورٹ پیش کرتا ہوں جو کہ آل پارٹیز کانفرنس نے ۱۹ رمئی ۱۹۲۸ء کو بمبئی میں اس غرض سے مقرر کی تھی کہ ہندوستان کے دستور اساسی کے اصولوں کو غور کر کے متعین کرے۔ اس رپورٹ کو پیش کرنے میں جو تاخیر ہوئی اُس کا مجھے افسوس ہے۔ اس تاخیر کے وجوہ کی اطلاع آپ کو اس سے پہلے دی جا چکی ہے۔ اور آپ نے از راہ مہربانی اس رپورٹ کو پیش کرنے کی مدت میں توسیع فرما دی تھی۔

آپ کا مخلص

موتی لال نہرو۔ صدر کمیٹی

الہ آباد۔

۱۰ راگست ۱۹۲۸ء

تمہید

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے جس نے اس کمیٹی کا تقرر کیا
تھا، اپنی رپورٹ پیش کرتے وقت شروع ہی میں اس طرف توجہ منعطف کرائیں کہ ہمیں ہدایات
دی گئی تھیں کہ ایسا دستور مرتب کریں جس سے کامل ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ اس ہدایت کا
مطلب یہ سمجھنے کے وجوہ کہ ہمیں خود مختار نوآبادیوں کے نمونہ کی اتباع کرنی چاہیئے ہم نے
پہلے باب میں بیان کئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ رپورٹ کے متن میں ہم نے "ذمہ دار
حکومت" اور "نوآبادیوں کے طرز کی حکومت" میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اور شروع
سے آخر تک یہی فرض کیا ہے کہ یہ دونوں بالکل ایک ہی چیز ہیں۔ ہمارے حدود استصواب
ہم پر یہ فرض عاید نہیں کرتے کہ ہم ذمہ دار حکومت کی موافقت میں دلائل پیش کریں اور اسکی بین وجہ یہ ہے کہ جہاں تک
اس کانفرنس کا تعلق ہے اسکی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس کانفرنس میں جو جماعتیں شامل ہیں
انمیں سے بعض ایسی ہیں جو اپنے مطالبہ کو کامل آزادی کی بلند تر سطح پر رکھتی ہیں لیکن ہمیں کسی ایسی جماعت
کے وجود کا علم نہیں جو کامل نوآبادیوں کے طرز حکومت سے کم پر رضامند ہو جائے
ہندوستان کے تمام سیاسی طبقوں میں اس مسئلہ پر مشکل ہی سے کوئی اختلاف رائے ہے کہ ہندوستان
کو برطانوی دولت مشترکہ میں ایک رکن کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ جائز طور پر کہا جا سکتا
ہے کہ ہندوستان کی منظم سیاسی جماعتوں میں اتفاق رائے کا بڑے سے بڑا مشترک عنصر یہ ہے
کہ ہندوستان کی حیثیت کسی حال میں خود مختار نوآبادیوں مثلاً کنیڈا، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ
اور دولت آزاد آئرلینڈ سے کم نہ ہونی چاہیئے۔ مختصر یہ کہ نوآبادیوں کا سا درجہ حاصل کرنے کو
ہم اپنے سیاسی ارتقا کی ایک بعید منزل نہیں سمجھتے بلکہ فوری اگلا قدم۔ جب یہ خیال ہے تو
معمولی حالات میں یہ غیر ضروری ہوگا کہ ہم اپنی سفارشوں کو حق بجانب ثابت کرنیکے لئے

وجوہ بیان کریں۔

غلط تنقیحات | لیکن سرکاری حلقوں میں حال میں بعض غلط تنقیحات اس غرض سے اٹھائی گئی ہیں کہ ہندوستان میں کسی قسم کی ذمہ دار حکومت کے قیام کو روکیں یا ایسی دیر کرائیں۔ اس کا بہت احتمال ہے کہ ان معترضین کے دلائل مختلف مقامات سے مختلف شکلوں میں دہرائے جائیں گے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس تمہید میں ان بادلوں کو منتشر کر دیں جو اصل مسئلہ کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ معترضین کے دلائل کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے :۔

(۱) ذمہ دار حکومت کے معنی لازمی طور پر نوآبادیوں کے درجہ اور حیثیت کے نہیں ہیں اور یہ اس درجہ سے کم حیثیت کی چیز بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) پارلیمنٹ نے (ہندوستان کو) نوآبادیوں کا درجہ دینے کا کبھی وعدہ نہیں کیا۔

(۳) اقلیتوں کا مسئلہ اور ضروری جماعتی حالات کی عدم موجودگی کامل ذمہ دار حکومت کے نظام پر عمل کرنے میں حائل ہیں۔

(۴) ہم میں (دشمنوں کے خلاف فوجی) مدافعت کی صلاحیت نہیں۔

(۵) ہندوستانی ریاستوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔

(۶) یورپین تجارتی حلقوں اور ملازموں میں ایک طرح کی بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔

درجہ نوآبادیات | قانون دستوری میں "درجہ نوآبادیات" ایک سمجھی بوجھی اصطلاح ہے۔ اور اگرچہ پوری صحت کیساتھ اسکی تعریف کرنا مشکل ہے تاہم ہر شخص جو نوآبادیوں کے سیاسی اداروں کی تاریخ اور انکی نشوونما سے واقف ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے ۱۹۲۶ء کی امپیریل کانفرنس میں خود مختار اقوام کی اس جمعیتہ کی حیثیت جس میں برطانیہ عظمیٰ اور نوآبادیاں شامل ہیں یوں بتلائی گئی تھی

"یہ سلطنت برطانوی کے اندر خود مختار جماعتیں ہیں، ان سب کا درجہ برابر ہے، اگرچہ تاج برطانیہ کی مشترک وفاداری ان سب کو باہم متحد کرتی ہے تاہم اپنے

اندرونی، یا بیرونی معاملات میں کسی طرح ایک دوسرے کی ماتحت نہیں؛ اور آزادی کے ساتھ بہ حیثیت رکن برطانوی دولت مشترکہ میں شریک ہیں"۔ (ملاحظہ ہو کیتھ کی کتاب (Responsible Government جلد ۲ ص ۱۲۲۴)

یہ قابل مصنف جس کی کتاب سے ہم نے یہ قول نقل کیا ہے کہتا ہے کہ "یہ تعریف قابل قدر ہے اپنے قصد و ارادہ کی وجہ سے نہ کہ اس لئے کہ یہ سطح نظر کے مقابلہ میں واقعات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے"۔ ہم اس کے ارادہ و قصد ہی پر نظر کرنے پر قانع ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ درجہ نوآبادی کی بنیاد پر جو دستور بنا ہوا اس پر عمل کرنے میں برطانوی دولت مشترکہ کے دوسرے اراکین کے ساتھ جو دشواریاں پیش آئیں گی انہیں "ہندوستانی ڈومینین" کے معاملہ میں بھی اس طرح حل کیا جاسکیگا جس طرح دوسری نوآبادیوں کے معاملہ میں؛ یعنی ان صحیح اخلاقی اور سیاسی اثرات سے جو ایسی دولت مشترکہ کے باہمی تعلقات کو استوار کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے، جو مختلف اقوام سے مرکب ہو۔

ذمہ دار حکومت | تمام نوآبادیوں کے دستوروں کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان سب میں ہر جگہ ذمہ دار حکومت ہے یعنی حکومت کی وہ شکل جس میں قوت عاملہ جمہور کی منتخب کی ہوئی قوت آئین ساز کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہر نوآبادی کی "خودمختاری" اور سیاسی قوت اسی طرح ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور ہم واقف نہیں کہ کہیں بھی "ذمہ دار حکومت" کے کوئی اور معنی لئے گئے ہوں اور سوائے ان جگہوں کے جہاں طرز حکومت بالاعلان مستبدانہ ہے ہم کہیں اور یہ بھی نہیں پاتے کہ قوت آئین ساز کو ماتحت جگہ دی گئی ہو یا اس کے اختیارات پر قیود اور بندشیں عاید کی گئی ہوں۔

اگست ۱۹۱۷ء کا اعلان | لیکن ہمارے معترضین بتلاتے ہیں کہ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں "خود اختیاری اداروں کے تدریجی نشوونما" کا ذکر ہے "تاکہ ہندوستان میں رفتہ رفتہ ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے"۔ اور یہی الفاظ قانون حکومت ہند کی تمہید میں بھی استعمال کئے

گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ انڈین نیشنل کانگریس کے رکن ہیں انہوں نے کبھی ان الفاظ کو تسلیم نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ ہم میں سے جنہوں نے ان تمہیدی الفاظ کو تسلیم کیا تھا وہ ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتے کہ ۱۹۱۷ء و ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ یا برطانوی مدبرین نے بالارادہ اپنے ذہن میں کچھ چیزوں کو پوشیدہ رکھ کر گفتگو کی تھی اور ایسی زبان استعمال کی تھی جو ہندوستان کے اس مطالبہ کو رد کرنے میں کام آ سکے کہ اسے نوآبادیوں کا درجہ دیا جائے۔ ۸ر فروری ۱۹۲۴ء کو سر میلکم ہیلی نے جو اس وقت حکومت کے ہوم ممبر تھے اسمبلی میں جو تقریر کی تھی اس میں انہوں نے کہا تھا کہ "اگر آپ 'کامل نوآبادیوں کی سی خود اختیاری حکومت' کے الفاظ کی تحلیل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ذرا زیادہ وسیع ہیں اور ان کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ قوت عاملہ قوت آئین ساز کے سامنے جوابدہ ہو گی بلکہ یہ بھی ہے کہ خود قوت آئین ساز کو وہ تمام اختیارات ہوں گے جو جدید نوآبادیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں مفہوم کا فرق ہے کیونکہ ذمہ دار حکومت اور ایسی آئین ساز قوت میں کوئی لازمی تناقص نہیں جس کے اختیارات محدود یا کم ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ذمہ دار حکومت کا منطقی نتیجہ کامل نوآبادیوں جیسی خود اختیاری حکومت ہی ہو۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی ذمہ دار حکومت کے نشو و نما کی ناگزیر اور تاریخی شکل ہو، لیکن یہ ایک آگے کا اور ایک آخری قدم ہے۔" اس تقریر کو ہم ہندوستان کے سرکاری حلقوں میں ایک جدید خیال کی ابتدا سے تعبیر کر سکتے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے بعد سے برابر بعض برطانوی مدبرین کی تقریروں اور برطانوی اخبارات میں سیاسیین کی تحریروں سے اسی کی صدائے بازگشت آ رہی ہے نیز ان کتابوں سے جو ہندوستان کی دفتری حکومت کے وظیفہ یاب انگریز اراکین نے شائع کی ہیں۔ سر میلکم ہیلی کے دلائل اور دلائل کے عواقب کی تردید مجلس قانون ساز کے اراکین نے فوراً کر دی تھی اور اسمبلی سے باہر ہندوستانی رائے عامہ نے بھی اس کی تغلیط کر دی ہے۔

درجہ نوآبادیات اور ذمہ دار حکومت میں کوئی فرق نہیں

ہم یہ تبلا دینا چاہتے ہیں کہ "درجہ نوآبادی" اور "ذمہ دار حکومت" میں جو فرق کیا گیا ہے وہ فرق ایسا ہے جو ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۹ء میں کبھی نہیں کیا گیا نہ ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کے اعلان کو ہندوستان سے اس معنی میں منوانے کی خواہش کی گئی کہ ملک معظم کی حکومت جس چیز کا وعدہ ہندوستان سے کرانا چاہتی تھی وہ نوآبادیوں کے درجہ سے کوئی کم درجہ کی چیز تھی یعنی ایسی ذمہ دار حکومت جس میں "آئین ساز قوت محدود اور پابند ہو" یہ کہنا کہ برطانوی مدبرین کا مطلب یہی تھا، انکے ساتھ بالا رادہ دو معنی الفاظ کے استعمال کو منسوب کرنا ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو برطانوی پارلیمنٹ کے وعدوں پر ان ہندوستانی سیاسی جماعتوں کا عقیدہ بھی پاش پاش ہو جائے گا جو اب تک یہ سمجھکر کام کر رہے تھی کہ ہندوستان کی مقررہ منزل مقصود "نوآبادیوں کا درجہ" ہے۔ سر میلکم ہیلی خوب جانتے تھے کہ اس ہدایت نامہ میں جو ملک معظم نے گورنر جنرل کو بھیجا تھا اس مقصد کا حوالہ ہے کہ "ہندوستان ہماری مملکتوں میں اپنا جائز مرتبہ حاصل کر سکے" اور انہوں نے اس ہدایت نامہ کا حوالہ یہ سمجھکر دیا تھا، اگرچہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے، کہ اس سے انکی دلیل کو تقویت پہنچے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس ہدایت نامہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اس خیال کی تائید کریں جو سر میلکم پیش کر رہے تھے ہمارے خیال کی تائید کرتے ہیں کہ ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۹ء میں نہ پارلیمنٹ نہ کوئی برطانوی مدبر "ذمہ دار حکومت" اور "درجہ نوآبادی" میں وہ باریک فرق کرتا تھا جس فرق کا نکالنا ۱۹۲۴ء میں سر میلکم ہیلی کے حصہ میں آیا۔ یہ تو بالکل خارج از بحث ہے کہ ہندوستان اس معنی میں ذمہ دار حکومت پر راضی ہو سکتا ہے جس میں سر میلکم ہیلی اس لفظ کو استعمال فرماتے ہیں یعنی ایک ایسا نظام حکومت جس میں قوت آئین ساز کے اختیارات محدود اور پابند ہوں۔

ہندوستان کا صحیح درجہ

ہمارے خیال میں تدبر کا تقاضا تو یہ تھا کہ ذمہ دار حکومت کے وعدے کی تفسیر وسعت نظر کے ساتھ کیجائے گی اور ایسی کسی تعبیر کے لئے مطلق کوئی موقع نہ ہوگا جو اگر

یہ ہم تو لاز ماً ان لوگوں کی دیانتداری پر اثر پڑے گا جنہوں نے یہ وعدہ کیا تھا، اور یقیناً اس تعبیر کو ہندوستان میں یک قلم مسترد کر دیا جائے گا۔ اگر اس فضا کو جس میں پارلیمنٹ نے یہ اعلان کیا تھا اور اس مطالبہ کو جس کے جواب میں یہ اعلان ہوا تھا یاد رکھا جائے، پھر اگر یہ بھی پیش نظر رہے کہ ٹھیک نوآبادیوں کی طرح ہندوستان نے صلحناموں پر دستخط ثبت کئے تھے اور وہ جمعیۃ اقوام کے اول اراکین میں رہا ہے اور ہے، تو شبہ کی کوئی گنجایش نہیں رہتی کہ انگلستان ہندوستان سے عہد کر چکا ہے کہ برطانوی دولت مشترکہ میں اسکی جگہ بالکل وہی ہو گی جو کسی دوسری نوآبادی کی ہے۔ ہماری رائے میں ہندوستان کے مطالبات کو اس قسم کی موشگافیوں سے نہیں ٹالا جا سکتا جو ۱۹۲۴ء میں حکومت ہند کے ہوم ممبر نے کیں اگر سر میلکم ہیلی کا یہ قول صحیح ہے کہ ذمہ دار حکومت کے نظام میں یہ ممکن ہے کہ قوت آئین ساز کے اختیارات محدود اور پابند ہوں تو پھر ظاہر ہے نوآبادی طرز کی حکومت خود اختیاری ذمہ دار حکومت کا منطقی نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ صرف وہ ایک آگے کے اور آخری قدم " کی حیثیت سے آ سکتی ہے جبکہ وہ حدود اور پابندیاں جو آئین ساز قوت کے اختیارات پر عائد تھیں ہٹا دیجائیں۔ یہ تو ہندوستان سے کھیل کرنا ہے اور اس احساس کشمکش کو مستقل بنانا جو اس وقت تک کہ ختم نہ ہو جائے ایک طرف تو انگلستان اور ہندوستان میں مخالفت کا روز افزوں سبب رہیگا اور دوسری طرف ہماری قوتوں کو خود اختیاری حکومت کے عملی کاموں اور جماعتی اور معاشی تعمیر نو میں صرف ہونے سے روکے گا۔ سر میلکم ہیلی کی تعبیر کے مقابلہ میں ہم ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کے اعلان شاہی کا حوالہ دیتے ہیں جسمیں ملک معظم نے ۱۹۱۹ء کے قانون (حکومت ہند) کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ " اس کے بعد کامل ذمہ دار حکومت " کا راستہ دکھاتا ہے اور " اس کے (ہندوستان کی) باشندوں کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ " وہ اپنے معاملات ملکی کی تشکیل کریں اور اغراض ملکی کا تحفظ۔ "۔

ہندوستان کی مجالس آئین ساز کے لئے ۱۹۲۰ء کے آخر میں جو انتخابات ہوئے انکا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر کیتھ کہتے ہیں کہ " یہ اس وقت کی خبر دیتے ہیں جب ہندوستان کو کامل خود

مختاری حاصل ہوگی اور وہ برطانوی سلطنت میں نوآبادیوں اور خود دولت متحدہ کے ہم پلہ حیثیت رکھے گا۔" ہماری تعبیر بھی بس یہی ہے اور ہم حکومت ہند کے رکن کی اس تعبیر کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے جس سے عملاً پارلیمنٹ کے اعلان کی نفی ہو جاتی ہے۔ لہذا ہم نے اپنی سفارشیں اس بنیاد پر کی ہیں کہ (۱) ہم سب متفق ہیں کہ نوآبادیوں کے درجے سے کم کوئی چیز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتی اور (۲) ہندوستان میں جو طرز حکومت قائم کرنا ہے وہ وہی ہوگا اور اس سے کم نہ ہوگا جو دوسری خود مختار نوآبادیوں میں رائج ہے۔

درجہ نوآبادیات پر اعتراض: "رائے دان"

ہم ان متعدد اعتراضوں سے واقف ہیں جو ہندوستان کے لئے اس قسم کی حکومت کی موزنیت کے خلاف کئے گئے ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ "رائے دان" (Ballot Box) ہندوستان کی مخصوص ذہنیت کے لئے موزوں نہیں اور ہندوستان میں خود اختیاری حکومت ہو سکتی ہے بلا اس کے کہ لازمی طور پر ذمہ دار حکومت بھی ہو۔ بلکہ ہمارے معترض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ پارلیمنٹری ادارے سوائے انگلستان کے خود یورپ کے تمام ملکوں میں ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ باوجود اس قسم کے اعتراضات کے ذرا عجیب سی بات ہے کہ یورپ کے جس ملک نے استبدادی طرز حکومت سے منہ پھیرا اس نے کسی نہ کسی شکل میں پارلیمنٹری ادارے اختیار کئے ہیں۔ اٹلی یا روس کو جو سیاسی تجربوں کی انتہائی شکلیں ہیں ہمارے معترض ہمارے سامنے مشکل ہی سے قابل تقلید مثال کی طرح پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں بلکہ مشرقی قوموں نے بھی مثلاً جاپان، ترکی، ایران نے پالیمنٹری نوعیت ہی کے دستور بنائے ہیں۔ لیکن اگر مان لیجئے کہ "رائے دان" ہندوستان کی مخصوص ذہنیت کے لئے موزوں نہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ "آخر دوسری کیا صورت ہے؟" (جواب میں) بعض خیالی نظریے پیش کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے

خیالی نظریے

کہ ہندوستان کو الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس قدیم طریقہ کے نمونہ پر جو ہندوستانی ریاستوں میں رائج ہیں۔ سر والٹر لارنس فرماتے ہیں کہ "نئے بیت مقدس کے جوشیلے معمار و

"کو کسی محفوظ اور مضبوط بنیاد پر اتر آنا چاہئے۔ یقیناً ہندوستانی ریاستوں کے قدیم اداروں کو اختیار کرنا اور انہیں ترقی دینا اس سے بہتر ہوگا کہ ایک ایسے نظام کا گرا ہوا چربہ اتارا جائے اور اسے اور خراب کیا جائے جو صرف ان برطانوی حکام کے مضبوط ہاتھوں میں قابل برداشت ہے جو سب سے الگ تھلگ اور بالکل غیر جانبدار رہیں اور ہندوستانیوں کے لئے اسی طرح ناقابل فہم جیسے مصر کا ابوالہول" (The India That We Served ص ۲۸۹) اس قسم کی پراگندہ خیال تجویز کے صحیح معنی معلوم کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ یقیناً یہ مطلب تو نہ ہوگا کہ ہندوستان کے صوبے یا ان صوبوں کے حصے دیسی فرمانرواؤں کو دے دیئے جائیں یا برطانوی ہند کے منظورِ نظر طبقوں سے فرمانرواؤں کی ایک نئی کھیپ تیار کی جائے۔ یہ باشندگانِ ملک کی مرضی اور پارلیمنٹ کے وعدوں کے مطابق ہندوستان کے لئے دستور بنانا تو نہ ہوگا بلکہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی قبر پر سنگ تربت کی تحریر ہوگی جس سے مستقبل کا مورخ خود اپنا نتیجہ اخذ کر لے گا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب تجویز وہ ہے جو قدامت پسند جماعت کے ایک مشہور اخبار نے چند مہینے ہوئے پیش کی تھی یعنی حکومت مغل خاندان کے زندہ اخلاف میں سے کسی کو شہنشاہ دہلی کے مسند پر متمکن کر دے۔ ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ سنجیدہ سیاست ہے!

ہندی۔ برطانوی شراکت اس کے علاوہ انگلستان میں بعض سابق گورنروں نے ہندی۔ برطانوی اشتراک کی تجویز کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کا سارا مسئلہ حل ہو جائے گا اگر ہندوستانی اس پر رضامند ہو جائیں کہ وہ ہمیشہ ہندوستان کی اعلیٰ ملازمتوں میں انگریز عہدیداروں کی ایک مقررہ تعداد ضرور رکھیں گے۔ یہ تعداد ۵۰ فیصدی سے کم نہ ہوگی اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے پاس اس بات کو باور کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ بعض اعلیٰ حلقوں میں لوگ متانت کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان کے متعلق جو کچھ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ذرا تبدیل ہوئی شکل کی حکومت قائم کر دی جائے جس میں وزرا ہوں

جو قانون ساز جماعت کے منتخب شدہ اراکین میں سے مقرر کئے جائیں اور عہدیدار ہوں جن کا
تقرر بادشاہ کی طرف سے ہو اور جو جماعت قانون ساز کے سامنے نہیں بلکہ بادشاہ کے سامنے جوابدہ
ہوں۔ (۲) صوبوں میں ایوان خاص قائم کر دئیے جائیں تاکہ قدامت پسند عنصر کو ابھارا جا سکے
اور غیر ذمہ دار ایوان عام کی عاجلانہ اور نا فہمانہ کارروائیوں کے لئے توازن پیدا ہو جائے
(۳) مرکزی حکومت کی ساخت اور ترکیب کو بالکل چھوا چھیڑا نہ جائے اور (۴) اگر ہو سکے تو مرکزی
مجلس قانون ساز (Legislative Assembly) کو اس طرح کم نقصان
رساں بنا دیا جائے کہ "آل انڈیا" سیاسیین کی قانون سازانہ کارروائیوں پر پابندیاں عاید
کر دی جائیں۔ اس لئے کہ گمان یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے صوبہ کی کونسلوں والے آمادہ بہ مفاہمت
بھائیوں کے مقابلہ میں قوم کے کم نمائندہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سب کو ہندوستان اور انگلستان
میں لوگوں کا کوئی طبقہ دستوری ترقی مانتا ہو۔ ہماری رائے میں تو یہ ذمہ دار حکومت یا
نوآبادیوں کے درجہ سے بہت ہٹی ہوئی چیز ہے۔

بیچ کی کوئی منزل نہیں ہندوستان میں کامل ذمہ دار حکومت کے قیام میں یعنی اسے نوآبادیوں
کا درجہ دینے میں کتنی ہی دشواریاں بتائی جاتی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دوغلہ
نظام اور حقیقی ذمہ دار حکومت کے بیچ میں کوئی درمیانی منزل نہیں۔ ہم جب اس مسئلہ کو اپنے
سامنے لاتے ہیں تو ہمیں یہ اس قدر حکومت یا انتظام ملکی کے کل پرزوں کے رنگ کا سوال نہیں نظر
آتا جتنا کہ ان بنیادی اصولوں کا جن پر آئندہ حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔ اگر گورنر جنرل کی مجلس
عاملہ کے تمام اراکین ہندوستانی ہوں اور اگر صوبوں میں دفتری حکومت کے سب رکن ہندوستانی
ہوں تو اس کے معنی صرف یہ ہونگے کہ ایک سفید دفتری حکومت کی جگہ ایک گندمی دفتریت نے
لے لی ہے۔ ان الفاظ سے ہمارا مقصد دل آزاری نہیں۔ ہمارے ذہن میں تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ
سیاسی اختیار اور ذمہ داری باشندگان انگلستان سے باشندگان ہندوستان کو منتقل ہو جائے۔

وزیر ہند آج کل انگلستان کے لوگ ہندوستان کی ذمہ داری کس طرح پوری کرتے ہیں؟ معمولی

انگریز رائے دینے والا ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور ہندوستان کے مسئلہ کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہ پارلیمنٹ میں چند نمائندے بھیجتا ہے اور یہ پارلیمنٹ فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہے۔ ان نمائندوں میں سے اکثر ہندوستان سے نہایت ناواقف ہوتے ہیں اور انکا نہایت مستقل عقیدہ ہوتا ہے کہ وزیر ہند جسے انہوں نے از روئے قانون کچھ اختیارات دئے ہیں ہندوستان کے اغراض کی نگہبانی کے لئے بس ہے۔ خود وزیر ہند عموماً ایسا سیاستدان ہوتا ہے جسے براہ راست ہندوستان کے متعلق کوئی علم نہیں ہوتا اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ ہندوستانی معاملات کے متعلق ساری معلومات یا تو حکومت ہند سے حاصل کرے، یا اپنے مستقل عملہ کے عہدہ داروں سے، یا انڈیا کونسل کے اراکین سے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ عملاً پارلیمنٹ کا اقتدار انڈیا آفس کی حکومت میں مبدل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کی پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ اس ٹولی کی حکومت کا خاتمہ ہو کہ یہ حکومت زمانہ قریب میں اکثر حیثیتوں سے ہندوستان کے بہترین مفاد کے لئے بیحد مضر اور خود حکومت ہند کی آزادی کے مخالف ثابت ہوئی ہے۔ حکومت ہند کی باگ ڈور اگر وزیر ہند کے ہاتھ میں نہ رکھنی ہو تو لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی اختیار برطانوی رائے دینے والے سے ہندوستانی رائے دینے والے کو منتقل ہو جائے۔ ہندوستان کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس پر کسی ایسی قوت نے حکمرانی کی ہو جو براہ راست اپنے اختیارات کو استعمال نہ کر سکتی ہو اور اس لئے مجبور ہو کر اپنے اختیار اور اپنی قوت کو اپنے وکلا کو منتقل کرے یوں تو یہ نظام کسی ملک میں بھی غیر فطری...... ہوتا لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جس کے معاشرتی اور معاشی مسائل اس قدر گوناگوں ہیں، اس صورت حال کا بلا تعین مدت برداشت کرنا ممکن ہی نہیں خصوصاً جب کہ اپنی صلاحیت کے ایک نئے احساس، ایک نئے جذبہ خودداری اور حب وطن کی ایک نئی روح نے اس میں ایک نئی قوت محرکہ پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا قانون دستور کے لحاظ سے اور نیز بطور اصول کے ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی کامل ذمہ دار حکومت سے کم کوئی چیز معاملہ کو سلجھا نہیں سکتی جس میں سیاسی قوت باشندگان ہند کو منتقل ہو جائے۔

ہندوستانی ریاستیں ہمارے اس مطالبہ کے خلاف کہ ہمیں نوآبادیات کے درجہ کی حکومت خود اختیاری ملنی چاہیئے۔ عملی اعتراضات کو سر سلکم ہیلی نے اس تقریر میں جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں چند سوالات کی شکل میں پیش کیا تھا۔ اسے ہم اس نکتہ چینی کا نمونہ سمجھ سکتے ہیں جو ہمارے معترضین عموماً کیا کرتے ہیں سر سلکم ہیلی دریافت فرماتے ہیں کہ "نوآبادیوں جیسی حکومت خود اختیاری صرف برطانوی ہند تک محدود رہے گی یا ہندوستانی ریاستوں پر بھی حاوی ہوگی؟" ہم نے ایک علیحدہ باب میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور ہم اس کی طرف توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں۔

اقلیتیں دوسرا سوال جو سر سلکم ہیلی نے کیا تھا اور جو ہمارے معترضین عموماً کرتے ہیں وہ ان جماعتوں کی حیثیت کے متعلق تھا جو اقلیت میں ہیں۔ سر سلکم ہیلی کی طرح ہم بھی اس میں "مبالغہ سے کام لینا نہیں چاہتے" اور انکی طرح ہم بھی سمجھتے ہیں کہ "اسکا سامنا کرنا چاہیئے"۔ ہم نے اپنی رپورٹ میں اس کا سامنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا اہتمام اعلان حقوق ہی میں نہیں کیا ہے جنہیں ہم ہندوستان کے مخصوص حالات میں ضروری سمجھتے تھے، بلکہ قانون ساز جماعتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی کے سوال کے سلسلہ میں بھی اس پر مفصل بحث کی ہے لیکن ہم یہ ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ اقلیتوں کا مسئلہ ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جنگ کے بعد دستوروں کی تدوین میں دوسرے ممالک کو بھی اس مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اسے کبھی بھی ان ملکوں کو کامل ترین حکومت خود اختیاری دینے کے خلاف دلیل یا وجہ کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ ہم نہایت خلوص کے ساتھ کانفرنس سے سفارش کرتے ہیں کہ اگر ہماری سفارشات میں اضافہ کر کے یا انکے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر اقلیتوں کا مسئلہ طے ہو سکے تو ملک کے وسیع تر اور پائدار تر اغراض کی خاطر اس دوسری بنیاد کو ضرور قبول کر لینا چاہیئے۔

معاشرتی اور سیاسی حالات ایک اور سوال جو سر سلکم ہیلی نے کیا تھا اور جو دوسرے بھی عموماً کیا کرتے ہیں یہ ہے کہ آیا ہم نے "یہ بھی اطمینان کر لیا ہے کہ ہندوستان میں وہ معاشرتی اور سیاسی بنیادیں

بھی موجود ہیں جن کے بغیر یہ دستوری عمارت حفاظت کے ساتھ قایم نہیں رہ سکتی"۔ ایک طرح تو سر میلکم
ہیلی نے اپنی تقریر میں خود اس سوال کا جواب دیدیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ " میں اس بات میں
مبالغہ سے کام لینا نہیں چاہتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی ملک کو دستوری ترقی کے لئے اس وقت تک
انتظار کرنا چاہئے جبتک اس کے رائے دہندوں میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد غالب نہ ہو ہم
نے خود انگلستان میں اسکا انتظار نہیں کیا تھا۔ پھر میں اس سے بھی انکار نہیں کرنا چاہتا کہ اس ملک
کے تعلیم یافتہ طبقہ کو رائے عامہ پر بڑا، بلکہ شاید غالب، اثر حاصل ہے یقیناً ایسا اثر جیسے اس کی تعداد
سے کوئی نسبت نہیں لیکن میرا یہ دعوے ضرور ہے کہ اس وقت ہندوستان میں سیاسی ترقی معاشرتی
ترقی سے آگے بڑھ گئی ہے"۔ ہم (اس سلسلہ میں) یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ کوئی قومی حکومت جو جمہوری
اصول پر مبنی ہوتی وہ معاشرتی ترقی کیطرف سے اس درجہ افسوسناک تغافل نہ برت سکتی جتنا
کہ اس دفتری حکومت نے برتا کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ پردیسی حکومت ہے کچھ اس لئے کہ لوگوں میں
غیر ہر دلعزیز ہونے سے وہ فطرتاً گھبراتی ہے اور کچھ اس واسطے بھی کہ جو ہندوستان معاشرتی اعتبار
سے مضبوط ہوگا وہ سیاسی طور پر بھی بہت زیادہ طاقتور ہوجائیگا۔ ہم انکار نہیں کرتے کہ معاشرتی
ترقی کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ضرورت نہایت شدید ہے۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ
ذمہ دار حکومت کے قیام کے موافق دلیل ہے اس کے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ جبتک
ہمارے ہاتھ میں حقیقی سیاسی قوت نہ آئے گی معاشرتی اصلاح کا کوئی صحیح لائحہ عمل بالکل خارج
از بحث رہیگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں متعدد جماعتیں ہیں
جن میں کام کرنے والے، مدد دینے والے اور روپیہ پہنچانے والے اسی ملک کی تعلیم یافتہ طبقہ
کے لوگ ہیں اور جو سالہا سال سے معاشرتی اصلاح کا کام کررہی ہیں اور انہوں نے معقول
نتائج بھی حاصل کئے ہیں جنہیں ہمارے پردیسی معترضین نظر انداز کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہماری
زندگی کے روشن پہلو کے بجائے اس کے تاریک پہلو پر زور دینا پسند کرتے ہیں، ہم ہرگز باور
نہیں کرسکتے کہ مستقبل کی ذمہ دار حکومت عام تعلیم، پسماندہ طبقہ کی ترقی اور ہندوستان میں

دیہاتی زندگی کو معاشی اور معاشرتی حیثیت سے از سر نو پیدا کرنے کے سوالات کی طرف سے
چشم پوشی کرسکے گی۔ کم از کم اس معاملہ میں تو موجودہ کونسلوں کا نامہ اعمال بھی باوجود انکی
محدود مالی وسائل اور محدود اختیارات کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ کئی صوبوں میں کونسل کی ممبروں
نے ابتدائی تعلیم کیطرف اس سے کہیں زیادہ توجہ کی ہے جتنا کہ اس وقت ہوتی تھی جسے زمانہ
قبل اصلاحات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یورپین تجارت و ملازمتیں اس کے بعد یورپین تجارت کے مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں اور
ہم سے کہا جاتا ہے کہ "جن لوگوں نے ہندوستان میں بڑی بڑی رقمیں لگائی ہیں اور جو روز
اپنے کاروبار کو وسعت دے رہے ہیں انہیں حق حاصل ہے کہ پوچھیں کہ ہم عنقریب نظام حکومت
میں کوئی تبدیلی کرنیکا خیال تو نہیں رکھتے۔" اسی طرح ہم سے کہا جاتا ہے کہ "جو لوگ اعلیٰ ملازمتوں
میں داخل ہوتے ہیں خواہ سول یا فوجی وہ چاہے یورپین ہوں چاہے ہندوستانی یہ دریافت
کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم جلد حکومت میں کوئی بنیادی تغیر تو نہیں کرنے والے ہیں۔" جہاں
تک یورپین تجارت کا سوال ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں نے ہندوستان میں
بہت سا روپیہ لگایا ہے انہیں پریشان ہونیکی کیا وجہ ہے۔ یہ بات تو تصور میں بھی نہیں آسکتی
کہ کسی خاص قوم کے لئے جو ہندوستان میں جائز طور پر کاروبار کرتی ہو کوئی خاص جداگانہ قوانین
بنائے جائیں گے۔ ہندوستانی تجارت اور یورپی تجارت دونوں کو پہلے بھی وہ مصائب
برداشت کرنے پڑے ہیں جو بڑے پیمانہ کے تجارتی کاروبار میں ناگزیر ہیں اور آئندہ بھی یہ
مصائب جھیلنے پڑیں گے۔ ممالک مغرب میں یا اور کہیں کوئی حکومت موثر طور پر سرمایہ اور محنت
کی کشاکش کا مستقل اور پائدار حل فراہم نہیں کرسکی ہے۔ لیکن اگر یورپین تجارت کے کچھ
خاص اغراض ایسے ہوں جن کے لئے آئندہ خاص برتاؤ کی ضرورت ہو تو قرین انصاف یہی ہے
کہ ان اغراض کے تحفظ کے لئے یورپین تاجر اپنی تجاویز تیار کریں اور ہمیں ذرا شبہ نہیں کہ جو لوگ
سیاسی مسئلہ کے پرامن حل کے دل سے خواہاں ہیں وہ اس پر معقول غور کریں گے۔ جہانتک

ملازمتوں کا تعلق ہے ہم ان دفعات کی طرف توجہ دلائیں گے جو ہم نے اپنی رپورٹ میں تجویز کئے
ہیں۔ اس معاوضہ، الاؤنس، پنشن وغیرہ کے متعلق جس کے یہ لوگ دولت مشترکہ ہندوستان
کے قیام کے بعد مستحق ہوں گے، ہم نے ایک آئینی ضمانت رکھدی ہے لیکن یہ تبلادینا ہمارا فرض
ہے کہ لی کمیشن باوجود ہندوستانی مخالفت کے مقرر ہوا، اور ہندوستانی مجلس قانون ساز
کی مخالفت میں اس کی سفارشیں منظور کی گئیں۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ آئندہ ان اعلےٰ
ملازمتوں میں بھرتی، انکی تنخواہ، معاوضہ، الاونس اور پنشنوں سب پر ان نئے سیاسی حالات
کی روشنی میں پھر غور و فکر کرنا ہوگا جو اس جدید دستور سے پیدا ہو جائیں گے۔ لیکن اسکے
یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ مستقل اعلیٰ ملازمتیں خواہ یورپین ہوں یا ہندوستانی وہ ذمہ دار حکومت
کے ماتحت اس سے کم اہم، یا کم با اثر یا کم محفوظ حیثیت رکھیں گی جتنی کہ انہیں خودمختار نوآبادیوں
میں حاصل ہے۔

فوج کی نگرانی | آخری سوال جس کا ہم ذکر کریں گے تحفظ ملک کا سوال ہے۔ سر میلکم ہیلی نے فرمایا
تھا کہ "کامل نوآبادی درجہ کے معنی ہیں مملکت کی اپنی فوج جو مملکت کی حکومت کے پورے
قابو میں ہو اور میں نے آجتک کوئی سنجیدگی سے سوچنے والا نہیں دیکھا جو سمجھتا ہو کہ ہندوستان
اس وقت اس قابل ہے یا مستقبل قریب میں اس قابل ہو سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں ایک مملکتی
فوج تیار کرلے"۔ پروفیسر کیتھ نے اس موضوع پر لکھتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ
ہندوستانی فوج میں عہدیدار تمامتر ہندوستانی ہوں، اور اسے اس معیار پر لایا جا سکے کہ یہ ملک
میں امن قائم رکھ سکے بلکہ شاید سرحدوں کا تحفظ بھی کرسکے۔ لیکن ابتک یہ کام بہت سستی سے چلا ہے
غالبًا یہ سچ ہے کہ فوج میں ہندوستانی عنصر کو بڑھانے کی تجویز برطانوی فوجی حلقوں میں زیادہ پسند
نہیں کی گئی لیکن جو فوجی کمیشن مل سکتے تھے انکے لئے بھی امیدواروں کی طرف سے مایوس
کن بے اعتنائی برتی گئی جس کی وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لڑکوں کے لئے اچھی ملازمتیں
چاہتے ہیں انہیں ہندوستانی سول سروس میں زیادہ فائدہ مند مواقع ہیں اور اس میں ہندوستانیوں

کو اس تعصب کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا جو برطانوی فوج میں انکے خلاف ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت
اپنی جگہ پر قائم ہے کہ خود اختیاری حکومت بلا ہندوستانی فوج کے ایک غیر ممکن چیز ہے کتنی ہی
احتجاجات ہوں اور کتنے ہی مظاہرے اور امپیریل حکومت کو کتنا ہی برا بھلا کہا جائے اس
سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی۔

یہ درست ہے لیکن ہم اس دستوری مسلک کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ بلا ایک ہندوستانی یعنی ملکی
فوج کے ہندوستان نوآبادی درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندوستانی فوج کو
پیدا کرنا نہیں ہے۔ وہ پہلے سے موجود ہے۔ دوسرے تاریخی حیثیت سے ہمارے معترضین نے
جو مسلک اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔

ہم اس موضوع پر سر سیوا سوامی آئر کی اس تقریر سے کچھ حصہ نقل کرنا چاہتے ہیں جو
انہوں نے ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء کو مرکزی مجلس قانون ساز (اسمبلی) میں کی تھی۔ سر سیوا سوامی
آئر وہ شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں فوج کے مسئلہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے اس لئے
ان کی تقریر سے نقل کرنے میں ہمیں ذرا تامل نہیں۔ انہوں نے فرمایا: "لیکن فوج کے مسئلہ کے
متعلق مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جہاں تک میں نے نوآبادیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے کوئی نوآبادی
اس وقت خود اپنی حفاظت کے قابل نہ تھی جب اسے حکومت خود اختیاری کا درجہ عطا کیا گیا۔
کئی سال تک تو نوآبادیاں اپنے تحفظ کے مصارف بھی نہ دے سکتی تھیں بلکہ انگلستان کی حکومت کو
نوآبادیوں کے فوجی مصارف کے لئے رقوم ادا کرنی ہوتی تھیں۔ برخلاف اس کے ہم نے شروع ہی سے
اپنی فوج کے مصارف آپ ادا کئے ہیں۔ ہم نے اپنی فوج کا خرچ ہی نہیں دیا ہے بلکہ اس میں اپنے
ہی آدمی بھی بھرتی کئے ہیں۔ ہم نے اپنی ہندوستانی فوج بھرتی کی ہے اور اس کا صرف اٹھایا
ہے اور ہم نے برطانوی فوجوں کے مصارف قیام بھی برداشت کئے ہیں۔ ہم تو اپنے ملک کے تحفظ
کے معاملہ میں نوآبادیوں سے آگے جا چکے ہیں۔ بیشک سر میلکم ہیلی ٹھیک کہتے ہیں کہ کامل ملکی حکومت
خود اختیاری میں یہ ضروری ہے کہ ہم میں اپنے تحفظ کی صلاحیت ہو اور یہ صرف اس طرح نہیں کہ

ہم تحفظ کے مصارف برداشت کر سکیں بلکہ ہم فوج کے افسر فراہم کریں اور اس کا انتظام کر سکیں لیکن کسی نو آبادی کے ساتھ اس شرط پر اصرار نہیں کیا گیا۔ بیشک صرف جہانتک اندرونی فساد سے بچنے کا تعلق ہے اس کے ضروری ہونے پر خود اختیاری حکومت ملنے کے چند سال بعد نو آبادیوں کو توجہ دلائی گئی تھی۔ لیکن جہانتک خارجی حملوں سے تحفظ کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ اب تک بھی ان پر یہ فرض عاید کیا گیا ہو۔ کم سے کم بحری مدافعت کے معاملہ میں تو یہ ذمہ داری ان پر نہیں ڈالی گئی ہے۔"

فوج کے متعلق سفارشات

ہم نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی ہے کہ ہندوستانی فوج کا انتظام بھی منتقل کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ افسروں کی تنخواہ، معاوضہ، الاونس اور پنشنوں کے متعلق ضروری ضمانتیں کر دیجائیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر مجلس آئین ساز میں فوج کی نمائندگی ایک ذمہ دار وزیر کرے جو عملی انتظام میں بلاشبہ ماہرین فن کے مشورہ پر عامل ہو تو اس سے لازمی طور پر قوت قانون ساز اور فوج میں زیادہ قریبی تعلقات پیدا ہو جائیں گے اور اس طرح فوج کے لئے بلا روک ٹوک رقوم فراہم ہوتی رہیں گی۔ موجودہ صورت حال میں تو فوج کے تخمینہ جات ناقابل تحریف ہیں۔ آئین موجودہ کے ماتحت ان پر بحث ہی نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس حالت کے کہ گورنر جنرل اس کے خلاف ہدایت کرے، لیکن مجلس قانون ساز کی رائے کے ماتحت تو یہ کسی حالت میں نہیں آسکتے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بس ۸ یونٹ والی تجویز صرف ایک ایسی کوشش ہے کہ فوج میں ہندوستانی عنصر کو بڑھایا جائے اور اس میں تیزی بھی کی گئی تو کم سے کم اس کے لئے ایک صدی کا عرصہ درکار ہوگا کہ فوج واقعی ہندوستانی فوج ہو جائے۔ اسکین کمیٹی کی رپورٹ کا حشر جس نے ۸ یونٹ والی تجویز کو برا تبلایا تھا سب کو معلوم ہے۔ اور سینڈہرسٹ میں ہندوستانی امیدواروں کی تعداد بڑھانیکی تجویز مشکل ہی سے یہ اثر رکھ سکتی ہے کہ معقول مدت میں فوج کو ہندوستانی فوج بنا دیا جائے۔ ہم اس خیال سے متفق نہیں کہ سینڈہرسٹ کے لئے امیدواروں کی تعداد جس قدر رہی ہے اس سے بڑھائی نہیں جاسکتی تھی۔ ہمارا گمان ہے کہ اب تک جو طریقہ انتخاب ہاہر

اس میں بہت کچھ خامیاں ہیں لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ اگر ہندوستان ہی میں ضروری تدابیر اختیار کیجائیں تو فوجی عہدہ داروں کی تیاری میں مناسب معیار کارکردگی حاصل نہیں ہو سکتا ہندوستان کی ذمہ دار حکومت کا یہ پہلا کام ہونا چاہیئے کہ اور چیزوں کی طرح ہندوستان کو فوجی معاملات میں بھی کافی بالذات بنائے چنانچہ ہم نے اپنی رپورٹ میں حکومت کے لئے ایک آئینی ذمہ داری پیدا کردی ہے کہ فوجی مدرسے اور کالج قائم کرے۔ بطور مزید احتیاط کے کہ ہم نے تحفظ ملکی کے لئے ایک تحفظ کمیٹی کی سفارش بھی کی ہے جو کم و بیش مشہور نمونوں پر مبنی ہے۔

باب اوّل

کمیٹی

اس کمیٹی کا جس کی رپورٹ پیش کرنے کا ہمیں اعزاز حاصل ہے ۱۹ رمئی ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس نے اپنی بمبئی کے اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز کے ساتھ تقرر کیا تھا۔

"یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ ایک کمیٹی کا جس میں پنڈت موتی لال نہرو صدر کی حیثیت سے اور سر تیج بہادر سپرو، سر علی امام، شریمت پرادہان، جناب شعیب قریشی، شریمت سوبھاس چندر بوس، شریمت مادہو راؤ آنے، شریمت ام۔ ر جیا کار، شریمت ن۔ م جوشی اور سردار منگل سنگھ شامل ہوں مقرر کی جائے، تاکہ وہ آئندہ یکم جولائی سے پیشتر آئین ہند کے اصولوں پر غور کرے اور انہیں متعین کرنے پھر مسودہ رپورٹ کو مختلف انجمنوں میں اظہار رائے کے لئے بھیجے۔ اس کمیٹی کو چاہیے کہ فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے جو قرارداد مدراس کانگریس میں تجویز ہوئی تھی اور اُس کے ساتھ جو تجاویز ہندو مہاسبھا، مسلم لیگ، سکھ لیگ اور دیگر سیاسی انجمنوں میں جن کے نمائندے دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس میں شریک تھے منظور ہوئیں اور نیز دیگر ایسے مسودے جو بعد میں اُسے دستیاب ہوں ان تمام پر مکمل ترین طریقے سے غور و تامل کرے نیز یہ کہ اس کمیٹی کو مناسب اہمیت ان سفارشات کو دینی چاہیے جو دہلی والی آل پارٹیز کانفرنس کی مختلف سب کمیٹیوں کی طرف سے پیش کی جائیں۔"

آل پارٹیز کانفرنس دوبارہ اگست ۱۹۲۸ء کے شروع میں کمیٹی کی رپورٹ

پر غور کرنیکے لئے جمع ہو گی۔"

مختصر تاریخ | قبل اس کے کہ ہم اس کمیٹی کے کام سے بحث کریں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان واقعات کی طرف اشارہ کر دیں جن کی وجہ سے کمیٹی کا تقرر کیا گیا۔

گوہاٹی | نیشنل کانگریس کا گوہاٹی کا اجلاس دسمبر ۱۹۲۶ء میں ایسے زمانہ میں واقع ہوا جب کہ ایک سخت اندوہناک حادثہ[1] نے فضا کو مکدر کر دیا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات و مناقشات پورے زوروں پر تھے۔ کانگریس نے ایک تجویز منظور کی جس میں مجلس عاملہ کو یہ ہدایت کی گئی کہ "وہ فوراً ہندو اور مسلمان رہنماؤں کے مشورے سے ان افسوسناک فرقہ وارانہ اختلافات کو رفع کرنیکی تدابیر نکالے۔ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے زیادہ سے زیادہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء تک رپورٹ پیش کرے۔"

اس ہدایت کے بموجب اس سال کے صدر کانگریس اور جماعت عاملہ نے ہندو مسلمان رہنماؤں اور مرکزی مجلس قانون ساز کے اراکین سے متعدد بار نجی مشورے کئے۔

مسلم تجاویز | ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو بعض ممتاز مسلمان رہنما دہلی میں جمع ہوئے اور انہوں نے چند تجاویز ہندو مسلم مسئلہ پر ہندوؤں اور ملک کے قبول کرنیکے لئے پیش کیں ان تجاویز میں جو "مسلم تجاویز" کے نام سے مشہور ہیں یہ درج تھا کہ مسلمان تمام صوبوں اور مرکزی مجلس قانون ساز میں مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ:-

(۱) سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

(۲) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کے ساتھ بالکل دیگر صوبوں کی طرح برتاؤ کیا جائے۔

(۳) پنجاب اور بنگال میں نمائندگی کا تناسب آبادی کے مطابق ہو۔

(۴) مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک ثلث سے کم نہ ہو۔

---

(۱) سوامی شردھانند کو انکے بستر علالت پر ایک مسلمان مذہبی دیوانے نے قتل کر دیا تھا۔

ان تجاویز کی اطلاع کانگریس کو کی گئی اور کانگریس کی جماعت عاملہ نے دوسرے ہی روز ایک تجویز اس مضمون کی منظور کی کہ وہ مسلم کانفرنس کے اس فیصلہ کو کہ وہ مشترک حلقہ ہائے انتخاب کو قبول کرتے ہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور یقین رکھتی ہے کہ ان تجاویز کی بنیاد پر ایک قابل اطمینان مفاہمت پیدا ہو سکے گی۔ ایک سب کمیٹی بھی ہندو اور مسلمان رہنماؤں سے مشورہ کے لئے بنائی گئی۔

جماعت عاملہ | کانگریس کی مجلس عاملہ کا بمبئی میں دوبارہ ۱۵ مئی سے ۱۷ مئی ۱۹۲۷ء تک اجلاس ہوا اور ایک طویل تجویز ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق منظور ہوئی۔ یہ قرارداد مسلم تجاویز کی بنیاد پر مرتب کی گئی تھی لیکن ان سے زیادہ تفصیلی تھی اور اس میں بعض دوسرے معاملات کا بھی ذکر تھا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی | بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو جلسہ انہیں تاریخوں میں ہوا اس میں باتفاق رائے تھوڑی ترمیمات کے ساتھ یہی قرارداد منظور کر لی گئی۔ ہندو رہنماؤں کی طرف سے جس خاص تبدیلی کا مشورہ دیا گیا وہ یہ تھی کہ سندھ کا صوبہ فرقہ وارانہ وجوہ کی بنا پر علیحدہ نہ کیا جائے بلکہ ایسے عام اسباب کی بنا پر علیحدہ کیا جائے جو تمام صوبوں پر منطبق ہو سکیں۔ قرارداد کے الفاظ میں تبدیلی سے اس اعتراض کا سدباب ہو گیا اور یہ باتفاق رائے منظور کی گئی۔

سوراج کا دستور | آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس اجلاس میں ایک اور قرارداد بھی منظور ہوئی جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ مجلس عاملہ مرکزی اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے منتخب شدہ ارکین اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے مشورہ کر کے ہندوستان کے لئے سوراج کا ایک ایسا دستور مرتب کرے جس کی بنیاد اعلان حقوق پر ہو۔"

اکتوبر ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ایک اور قرارداد منظور کی مگر اسکا تعلق صرف مسئلہ کے مذہبی اور معاشرتی پہلو سے تھا۔

مدراس کانگریس | مدراس کانگریس نے پورے ہندو مسلم مسئلہ پر غور کیا اور ان عام اصولوں کے ماتحت جو سال کے شروع میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے مقرر کر دئے تھے ایک طویل قرارداد سیاسی، مذہبی اور دیگر حقوق کے متعلق منظور کی۔

سوراج کا دستور | سوراج کے دستور کے متعلق بھی کانگریس نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی۔

"ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کی اس عام خواہش کو مدنظر رکھ کر کہ وہ سوراج کے دستور
کی ترتیب میں متفق ہو جائیں، اور اُن مختلف مسودوں پر جو پیش کئے گئے اور اُن مختلف
تجاویز پر جو جماعت عاملہ کی گشتی چٹھی کے جواب میں موصول ہوئیں غور کرنے کے بعد کانگریس مجلس عاملہ
کو (جسے مزید ارکین کے شامل کرنے کا حق ہوگا) مجاز کرتی ہے کہ وہ اسی قسم کی اُن
دوسری کمیٹیوں سے مشورہ کرے جنہیں ملک کی سیاسی، تجارتی، فرقہ وارانہ اور
مزدوروں کی انجمنیں مقرر کریں اور ہندوستان کے لئے سوراج کا ایک ایسا دستور
مرتب کرے جو اعلان حقوق پر مبنی ہو۔ اور اس دستور کو بحث اور منظوری کے لئے اس
خاص اجتماع میں پیش کرے جو آئندہ مارچ سے پہلے پہلے دہلی میں منعقد ہوگا اور
جس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ارکان اور متذکرہ بالا انجمنوں کے رہنما اور نمائندے
اور مرکزی اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے منتخب شدہ ارکین شامل ہونگے۔"

اس کے فوراً بعد لبرل فیڈریشن نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی میں تجاویز منظور کیں جن میں
اُس نے صدق دل سے اُن ممتاز مسلم ارکین کے خلوص نیت کا اعتراف کیا جنہوں نے ہندو مسلم
فرقوں کے باہمی اختلافات کے طے کرنیکے لئے یہ تجویز پیش کی اور اس بات کا مشورہ دیا کہ "وہ مجوزہ
تصفیہ کی مختلف مدات پر کسی قریب کی تاریخ میں فرقوں کے منتخبہ نمائندوں کے درمیان اتحاد عمل
کی سچی نیت کے ساتھ بحث و مباحثہ ہو جو مکمل اتفاق کی طرف رہنمائی کر سکے۔"

کچھ دنوں کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا اور ایک قرارداد منظور ہوئی جس
میں کہ لیگ کی کاؤنسل کو ایک ایسی سب کمیٹی کے تقرر کا اختیار دیا گیا "جو انڈین نیشنل کانگریس اور
ایسی دوسری انجمنوں سے مشورہ کرے جنہیں کونسل ہندوستان کا ایسا آئین بنانے کے لئے موزوں
تصور کرے جس میں مسلمانوں کے حقوق کی پوری نگہداشت ۱۹۲۷ء کی متذکرہ بالا دہلی والی تجاویز
کے مطابق کی جا سکے۔"

انجمنوں کو دعوت | کانگریس کے رزولیوشن کے مطابق کانگریس کی جماعت عاملہ نے انجمنوں کی ایک کثیر تعداد کو دعوتی رقعے بھیجے۔ ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

نیشنل لبرل فیڈریشن
ہندو مہاسبھا
آل انڈیا مسلم لیگ
مرکزی خلافت کمیٹی
مرکزی سکھ لیگ
جنوبی ہند کی لبرل فیڈریشن
آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس
تمام برہما کی انجمنوں کی جنرل کاونسل
ہوم رول لیگ
ریپبلکن لیگ
اسمبلی کی انڈپنڈنٹ پارٹی
اسمبلی کی نیشنلسٹ پارٹی
ہندوستانی ریاستوں کی رعایا کی انجمنیں
ہندوستانی ریاستوں کی رعایا کی کانفرنس
ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کی کانفرنس
انگلو انڈین ایسوسی ایشن
کلکتہ کی انڈین ایسوسی ایشن
پارسی سنٹرل ایسوسی ایشن
زوراسٹرین ایسوسی ایشن

پارسی راجکیا سبھا

پارسی پنچایت

ہندوستان کے عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس

جنوبی ہند کی چیمبر آف کامرس

دراوڑی مہاجن سبھا

اودھ، آگرہ، بہار، بنگال اور مدراس کے زمینداروں کی انجمنیں

اخیر میں بمبئی کے زمانہ قیام میں دعوتی رقعے بمبئی کی غیر برہمن پارٹی، قومی غیر برہمن پارٹی بمبئی کی کمیونسٹ پارٹی اور بمبئی کے کسانوں اور مزدوروں کی جماعت کے نام بھی جاری کئے گئے۔

دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس

ان انجمنوں میں سے اکثر نے اپنے نمائندے کانفرنس میں جس کا پہلا اجلاس ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں ہوا روانہ کئے۔ کانفرنس ۲۲ فروری تک روزانہ اپنے اجلاس کرتی رہی۔

پہلا سوال جس پر کانفرنس میں مباحثہ ہوا وہ یہ تھا کہ دستور میں پیش نظر کیا مقصد ہونا چاہئے۔ تجویز یہ کی گئی کہ دستور کو اپنا مقصد ہندوستان میں نوآبادی کے قسم کی حکومت کا قیام بنا لینا چاہئے۔ اس پر اعتراض بعض اراکین کی طرف سے اس بنا پر ہوا کہ کانگریس نے مکمل آزادی کو منزل مقصود قرار دے دیا ہے اس لئے اس سے کم درجہ کو منزل مقصود نہ قرار دینا چاہئے۔

یہ بات بالکل واضح تھی کہ تمام جماعتیں جن کی نمائندگی کانفرنس میں ہوئی تھی اس قدر دور جانیکے لئے تیار نہ تھیں بنابریں یہ مشورہ دیا گیا کہ ایک ایسا سطح نظر معلوم کیا جائے جس میں ہر دو نقطہ خیال سما سکیں۔ سوائے اس بات کے کہ "درجہ نوآبادی" میں تاج برطانیہ سے تعلق باقی رہتا ہے اسکے معنی رفتہ رفتہ ایسے ہوگئے ہیں کہ مکمل آزادی اور اس میں تمیز نہیں ہوسکتی۔ دونوں کا اصلی فرق قوت عاملہ کا فرق ہے۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ عام اصول منضبط کر دئیے جائیں اور جماعت عاملہ

کے متعلق اس منزل پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ اس لئے کامل ذمہ دار حکومت کا مطمح نظر منظور کرلیا
گیا۔ مگر یہ بات واضح کر دی گئی کہ جو لوگ مکمل آزادی پر اعتقاد رکھتے ہیں اُنہیں پوری آزادی
ہوگی کہ وہ اسکے لئے پروپگنڈا کریں یا دوسرے طریقوں سے اس کے حصول کی کوشش کرتے
رہیں۔ کانفرنس کی پہلی تجویز حسب ذیل تھی :۔

"دستور کامل ذمہ دار حکومت کے قیام کو پیش نظر رکھ کر بنایا جائے"

پہلی کمیٹی

کانفرنس نے اس کے علاوہ صوبوں کی نئی تقسیم، حلقہ ہائے انتخاب اور نشستوں کے
تحفظ کے متعلق بھی تجاویز منظور کیں۔ ۲۲ر فروری ۱۹۲۸ء کو کانفرنس نے ایک کمیٹی کا تقرر کیا
جسے مندرجہ ذیل مضامین پر رپورٹ پیش کرنیکی ہدایات کی گئیں :۔

آیا آئین کو دو ایوانی ہونا چاہیے یا ایک ایوانی، حق رائے دہندگی، اعلان حقوق، مزدوروں
کسانوں کے حقوق، ہندوستانی ریاستیں۔

کمیٹی کا تقرر کرنے کے بعد کانفرنس کا اجلاس ملتوی ہوگیا۔

کمیٹی نے اپنی رپورٹ مقررہ مدت میں پیش کر دی اور کانفرنس کا اجلاس دوبارہ ۸ر مارچ
۱۹۲۸ء کو دہلی میں ہوا۔ اسی اثنا میں مسلم لیگ کی کاؤنسل کا اجلاس بھی ہوا تھا اور اُس میں
آل پارٹیز کانفرنس کی تجاویز پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ کونسل نے اس کے علاوہ اس
بات کی صراحت بھی کر دی تھی کہ اُس کے نمائندوں کو دیگر انجمنوں کے نمائندوں سے وہ تجاویز
منظور کرانیکی کوشش کرنی چاہئے جو لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ (۱۹۲۷ء) کی قرارداد
میں موجود تھیں۔ اور آخری نتیجے سے کاؤنسل کو مطلع کرنا چاہیے تاکہ دستور بنانے کا کام
شروع کرنے سے پہلے وہ ان کے متعلق مناسب کارروائی کر سکے۔

مسلم لیگ کونسل کے اس قرارداد سے کانفرنس کے لئے بڑی دشواری پیدا ہوگئی۔ اس
کی رو سے مسلم لیگ کے نمائندے کمیٹی کی رپورٹ پر اس وقت تک غور کر سکتے تھے جب تک کہ اُن کی

دوسری تجاویز پوری کی پوری منظور کر لی جائیں یا پھر لیگ کی کونسل سے ہدایات کے لئے مشورہ کر لیا جائے۔

۸ مارچ ۱۹۲۸ء | ان ناساعد حالات میں کانفرنس کا اجتماع ہوا۔ فرقہ وارانہ مسائل پر کافی مباحثہ ہوا۔ اور معلوم یہ ہوا کہ مسلم لیگ اور ہندو سبھا کے نمائندوں میں سندھ کی علیحدگی اور اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کے مسائل پر اتحادِ خیال نہ تھا۔ آخر الذکر مطالبہ کے سکھ بھی شدید مخالف تھے بنا بریں ۱۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو کانفرنس نے دو سب کمیٹیوں کا تقرر کیا۔ ان میں سے ایک کو سندھ کی علیحدگی کے مالی پہلو پر دریافت حال کرنے کی خدمت تفویض ہوئی اور دوسری کو نمائندگی باعتبار تناسب کے لائق عمل ہونے پر۔ ۲۲ فروری کو جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کی رپورٹ پر مسلم لیگ کے نمائندوں کے اس فیصلہ کی وجہ سے کہ وہ مباحثہ میں کوئی حصہ نہ لیں کوئی غور نہ کیا جا سکا۔ کانفرنس نے رپورٹ کے شائع کرنے اور گشت کرانے کا حکم دے دیا۔ اور ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔

اپریل ۱۹۲۸ء کے شروع میں ہندو مہاسبھا کا اجلاس جبلپور میں ہوا اور وہاں بعض مسلم تجاویز کے شدید مخالفت کی قراردادیں منظور ہوئیں۔

بمبئی کا اجلاس | اس لئے جب آل پارٹیز کانفرنس دوبارہ بمبئی میں ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء کو جمع ہوئی تو صورتِ حالات امید افزا نہ تھی۔ فرقہ وارانہ انجمنوں میں بُعد بڑھ گیا تھا اور اُن کے رویہ میں سختی پیدا ہو گئی تھی جس کے بدلنے یا ترمیم کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں تھیں۔ دہلی میں جو دو سب کمیٹیاں سندھ اور نمائندگی باعتبار تناسب کے لئے مقرر ہوئی تھیں انہوں نے کوئی رپورٹ پیش نہیں کی تھی۔

اس منزل پر چونکہ کسی متفقہ اور اطمینان بخش حل کا امکان نہ تھا اس لئے یہ خیال کیا گیا کہ شاید ایک مختصر کمیٹی جو فرقہ وارانہ مسائل پر بحیثیت مجموعی غور کرے اور ترتیب دستور سے اس کے تعلق پر نظر کرے کوئی راہ عمل نکال سکے۔ اس وجہ سے وہ قرارداد جو رپورٹ کی ابتدا میں درج کی گئی ہے منظور کی گئی۔

موجودہ کمیٹی | مناسب طریقہ پر کام کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ کمیٹی مختصر ہو۔ تمام اغراض کو اس کمیٹی میں نمائندگی دینا ممکن نہ تھا لیکن اس بات کی ضرور کوشش کی گئی کہ اہم نقطہ ہائے نگاہ کے حامی شامل کر لئے جائیں۔ سر علی امام اور مسٹر شعیب قریشی مسلم نقطہ نگاہ کو اظہار کے لئے۔ مسٹر م۔ س۔ آنے اور مسٹر م۔ ر جیاکار ہندو مہاسبھا کے رویہ کی۔ مسٹر ج۔ ر۔ پردھان غیر برہمنوں کے خیال کی، سردار منگل سنگھ سکھوں کی نمائندگی کے لئے، سر تیج بہادر سپرو لبرل نظریہ کو اور ن۔ م جوشی مزدوروں کے مفاد کو پیش کرنیکے لئے منتخب کئے گئے۔

کانفرنس نے جن دس ممبروں کا انتخاب کیا ان میں سے مسٹر م۔ ر جیاکار نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ مسٹر ن۔ م جوشی نے کہا کہ وہ صرف اسوقت حصہ لیں گے جب مزدوروں کے حقوق پر غور کیا جائیگا۔ اور صورت واقعات کچھ ایسی ہوئی کہ وہ کسی ایک جلسہ میں بھی شرکت نہ کر سکے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے سر علی امام، بڑی زحمت اٹھا کر صرف ایک جلسہ میں شرکت کر سکے جس میں انکی موجودگی بہت معین ہوئی۔ ہم وقتاً فوقتاً انکے مشورے سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ مسٹر پردھان کمیٹی کے اجلاسوں میں ۱۲ر جون تک شریک رہے۔

رپورٹ میں تاخیر | کمیٹی سے استدعا کی گئی تھی کہ یکم جولائی سے قبل رپورٹ پیش کرے لیکن تمام کوششوں کے باوجود کہ کام وقت پر ختم ہو جائے کمیٹی وقت مقررہ کی پابندی سے مجبور رہی۔ ۵ر جون سے کمیٹی تقریباً بلا ناغہ متواتر کئی گھنٹوں تک روزانہ اجلاس کرتی رہی اور کل کانفرنسوں کے علاوہ اس کے ۲۵ اجلاس ہوئے۔

انتہائی اتفاق رائے | گو کمیٹی مختصر ہی لیکن یہ ایسے افراد پر مشتمل ہی جو مختلف سیاسی عقائد اور مختلف فرقہ وار جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں علاوہ تقرر میں کمیٹی کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ ان متعدد قراردادوں پر غور و فکر کرے جو مختلف جماعتوں نے منظور کی تھیں اور جن میں سے بعض ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھیں۔ مکمل یا بڑی حد تک اتحاد رائے میں دو بڑی مشکلیں حائل تھیں۔ پہلی مشکل کانگرس اور دوسری انجمنوں کے عام زاویہ نگاہ میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اول الذکر

نے اپنے آخری اجلاس میں منزل مقصود مکمل آزادی کو قرار دے لیا تھا اور موخر الذکر درجہ نوآبادی کے آرزومند تھیں۔ دوسری مشکل کا سبب وہ مختلف نقطہ ہائے نظر تھے جن سے کہ مختلف فرقہ وارانہ جماعتیں اپنے سیاسی حقوق کو دیکھتی تھیں۔

مکمل آزادی اور درجہ نوآبادی

کمیٹی کو پہلی مشکل کا سامنا بالکل ابتدا ہی میں کرنا پڑا۔ دہلی میں ایک دو معنی اصطلاح یعنی "کامل ذمہ دار حکومت" اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ مکمل آزادی یا درجہ نوآبادی کے متعلق فیصلہ اسوقت ٹل جائے۔ مگر کمیٹی نے محسوس کیا کہ دستور کے اصول کے وضع کرنے میں بھی دشواری ہوگی اگر اس سوال کا تصفیہ کم سے کم جہاں تک مسودہ دستور کا تعلق ہے نہ کرلیا گیا۔ بعض ارکان کا یہ خیال تھا کہ دہلی میں جس جگہ پہنچ چکے تھے اُسی جگہ قائم رہیں لیکن کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ کسی ایک طرف تصفیہ کرنا ناگزیر ہے۔ یہ تصفیہ مندرجہ بالا حالات کی موجودگی میں جہاں اس قدر مختلف الرائے جماعتوں کا اجتماع تھا صرف ایک ہوسکتا تھا اور وہ درجہ نوآبادی کے حق میں اس سر بلند تر مقام پر عام اتفاق رائے ممکن نہ تھا لہذا دو کمیٹی کی اکثریت اس رائے کی حامی ہوئی کہ اُنکے حدود استصواب کا منشا یہ ہے کہ کمیٹی کامل ذمہ دار حکومت کے دستور کے اصولوں کو غور کرکے متعین کرے اور خود مختار نوآبادیوں کے دستوروں کو اپنے سامنے بطور نمونے کے رکھے،،

اس لئے دستور کے جن اصولوں کا ہم نے مشورہ دیا ہے وہ درجہ نوآبادی کے لئے وضع کئے گئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر بلا شبہ مکمل آزادی کے دستور پر بھی پورے طریق پر منطبق ہو سکتے ہیں کمیٹی کی حیثیت سے ہمارا اس دستور کے حق میں فیصلہ صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ انتہائی اتفاق رائے صرف اسی بنیاد پر ممکن تھا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ کسی کانگریس کے رکن نے اپنی انفرادی حیثیت سے یا خود کانگریس نے اپنی اجتماعی صورت میں مکمل آزادی کی منزل مقصود کو ترک یا ہلکا کر دیا ہے۔ وہ لوگ جو اس میں اعتقاد رکھتے ہیں اس کے لئے کام کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ جو انتہائی اتفاق رائے اس طرح حاصل ہوا ہے وہ ایک ایسے دستور کے لئے قابل اطمینان بنیاد کا کام دے سکتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے میں تمام جماعتیں متحد ہو سکیں

بلا اس کے کسی دوسری جماعت یا فرد کا آگے بڑھنے کا حق زائل ہو۔

فرقہ دارانہ پہلو | رہی دوسری شکل، سو دستور کے نقطہ خیال سے فرقہ وارانہ مناقشات کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن اُنکی اہمیت مقابلۃً چاہے جو کچھ بھی ہو مگر وہ لوگوں کے خیال میں اہم تر معاملات سے بڑھ کر جاگزیں ہیں اور تمام سیاسی کاروبار پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ اور اس طرح ہم اپنے سامنے متعدد متضاد قرار دادیں اور سفارشیں پاتے ہیں جن میں سے ہر ایک ہماری وقعت و احترام کی مساوی طور پر مستحق ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مدراس کانگریس اور مسلم لیگ کا خیال اور ہندو مہا سبھا اور سکھ لیگ کا خیال ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہے تو اُن دونوں کو مجموعی صورت میں قبول کرنے سے ہم با ادب معذوری ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ دراصل خود یہ واقعہ کہ ہم سے استدعا کی گئی ہے کہ ہم ان مختلف نقطہ ہائے خیال پر غور کرنیکے بعد دستور کے اصولوں کو وضع کریں۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سے اس معاملہ میں قوت فیصلہ کو کام میں لانے کی توقع کی گئی ہے۔ اور ایسی سفارشات کے لئے کہا گیا ہے جو ہماری رائے میں ملک کے سیاسی ارتقا کے لئے مفید ترین ہیں۔ ہمیں اسکا احساس ہے کہ ہماری سفارشات چاہے کسی قدر مکمل اور مصلحت وقت کے مطابق کیوں نہ ہوں صرف اسی حد تک وزن اور اثر رکھیں گی جہانتک کہ وہ تمام متعلقہ جماعتوں کے لئے لائق قبول ہونگی۔

ایک متفقہ دستور کی امید صرف اُسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب کہ کل حالات پر اچھی طرح اور صفائی سے غور کرنیکے بعد منصفانہ اور مساویانہ مفاہمت کی بنیاد دریافت کر لی جائے۔ کمیٹی نے اپنا بہت وقت اور محنت اس قسم کی بنیاد کے دریافت کرنے میں صرف کیا ہے اور خوش قسمتی سے اس معاملہ میں ہمیں بہت سے ممتاز ہندو اور مسلمانوں کے مشورے سے مدد ملی ہے جنہوں نے صدر کی دعوت پر کمیٹی کی بعض جلسوں میں شرکت کی اور نہایت قابل قدر امداد بہم پہنچائی۔ اس سعی کا نتیجہ مندرجہ ذیل صفحات میں پیش کیا جاتا ہے اس امید پر کہ اس کی پذیرائی تمام متعلقہ جماعتیں فیاضانہ جذبہ کے ساتھ کرینگی اور انکے پیش نظر بس یہ بات رہیگی کہ ایک دوسرے کی اس کام میں مدد کریں کہ قوم کو اُس قعر مذلت سے جس میں کہ وہ آپس کے مناقشات اور عدم اعتماد کی وجہ سے گر گئی ہے نکالیں۔

شکریہ اُن لوگوں میں جنہوں نے صدر کی دعوت کو قبول فرمایا ڈاکٹر انصاری، پنڈت مدن موہن مالویہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر سی وائی چنتامنی، مولوی شفیع داؤدی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مسٹر سچدا نند سنہا، منشی ایشور سرن، ڈاکٹر سید محمود، چودھری خلیق الزماں اور مسٹر تصدق احمد خاں شروانی تھے۔ ہم انکی قابل قدر اعانت اور اتحاد عمل کے شکر گزار ہیں ہم خاص طور پر کانگریس کے صدر ڈاکٹر انصاری کے ممنون ہیں جو ہمارے جلسوں میں تین مرتبہ تشریف لائے اور جب کبھی ہمیں مشکلیں درپیش ہوئیں ہماری دل کھول کر مدد کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس کے جنرل سکرٹری خاص طور پر ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو سوائے ایک مختصر ناگزیر غیر حاضری کے ہمیشہ کمیٹی کے اجلاس میں موجود رہے علاوہ اعداد و شمار کی مشقت ترتیب کے جو اس رپورٹ کے ضمیمہ میں درج ہیں۔ انہوں نے کمیٹی کے کام کی ہر منزل میں قابل قدر اعانت فرمائی۔

باب دوم

مسئلہ کا فرقہ وارانہ پہلو

مسئلہ کی نوعیت ہندوستان میں فرقہ بندی کا مسئلہ دراصل ہندو مسلم مسئلہ ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے دوسرے فرقوں نے بھی ایک جارحانہ رویہ اختیار کر لیا ہے اور اپنے لئے خاص مراعات و حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پنجاب میں سکھوں کی جماعت ایک اہم اور متحد اقلیت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خود ہندوؤں میں بھی تفریق پائی جاتی ہے خصوصاً جنوب میں برہمنوں اور غیر برہمنوں کے درمیان لیکن دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف کو کس طرح طے کیا جائے۔ یہی دونوں قومیں مل کر ہندوستان اور برہما کی کل آبادی میں نوّے فیصدی ہیں۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق تناسب آبادی یہ تھا :-

آبادی کا تناسب

ہندو	٦٥٫٩	فی صدی
مسلمان	٢٤٫١	"
بدھ مذہب کے پیرو (خاص طور پر برہما میں)	٤٫٦	"
قبیلوں کے مذاہب (پہاڑی علاقوں میں)	٢٫٨	"
عیسائی	١٫٢	"
سکھ	١٫٠	"
جین	٠٫٢	"
دیگر	٠٫٢	"
	١٠٠	

گذشتہ مردم شماری کی رپورٹوں کے اعداد وشمار کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہندوؤں اور جینیوں کی آبادی رفتہ رفتہ گھٹ رہی ہے اور بقیہ تمام مذاہب کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے مسلمانوں کی تعداد میں گو کوئی معتد بہ اضافہ نہیں ہے مگر اضافہ مسلسل ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد فی صدی سے سنہ ۱۸۸۱ء سے اس وقت تک ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد کا تناسب ظاہر ہوگا:۔

	سنہ ۱۸۸۱ء	سنہ ۱۸۹۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۱ء	سنہ ۱۹۲۱ء	
ہندو	۷۳٫۰	۷۰٫۱	۶۸٫۳	۶۶٫۹	۶۵٫۹	〃 −۶٫۱
مسلمان	۲۲٫۶	۲۲٫۴	۲۳٫۲	۲۳٫۵	۲۴٫۱	〃 +۱٫۵

مندرجہ بالا اعداد فی صد تمام ہندوستان کی نسبت سے ہیں اگر ہم صرف مسلمانوں کی تعداد لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گذشتہ سال کے اندر ۱۰٫۳ فی صدی کا اضافہ ہوگیا ہے اور ہندوؤں کی تعداد میں اسی زمانہ میں تھوڑی سی کمی واقع ہوگئی ہے۔

مسلمان آبادی کی تقسیم اس طرح پر ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب و بنگال کو اگر نکال دیا جائے تو ان کی ہر جگہ ایک چھوٹی اقلیت رہتی ہے ان کی سب سے بڑی اقلیت صوبجات متحدہ میں ہے لیکن یہاں بھی یہ ۱۵ فی صدی سے کم ہے۔ صوبجات متحدہ کی یہ ۱۵ فی صدی اقلیت تمام صوبے میں پھیلی ہوئی نہیں ہے بلکہ شہری حلقوں میں مجتمع ہے خصوصاً صوبہ کے شمالی حصہ میں۔

پنجاب میں مسلمان ۵۵٫۳ فی صدی ہیں اور بنگال میں ۵۴٫۰ فی صدی۔ سندھ میں ۷۳٫۴ فی صدی ہیں اور بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں وہ نہایت غالب کثرت میں۔

فرقہ وارانہ تحفظ | ہندوستان میں ایک نووارد ان اعداد وشمار کو دیکھ کر اور مسلمان قوم کی قوت کا اندازہ کرکے غالباً یہ تصور کریگا کہ یہ جماعت اتنی مضبوط ہے کہ آپ اپنی نگہبانی کرسکتی ہے اور اسے کسی خاص تحفظ یا مصنوعی پرورش کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہندوستان میں فرقہ وارانہ تحفظ کی ضرورت تسلیم کرلیجائے تو اس کی مستحق کسی صورت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی بڑی جماعتیں قرار نہیں دیجا سکتیں

اس کی اگر ضرورت ہو سکتی ہے تو ان قلیل التعداد فرقوں کے لئے جن کی مجموعی تعداد کل آبادی میں صرف دس فیصدی ہے۔

زندہ رہو اور زندہ رہنے دو

لیکن عقل و منطق کو فرقہ وارانہ جذبہ سے بہت کم تعلق ہے لیکن جب اس پورے مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو اسکا حل صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس بے بنیاد اندیشہ کو جو ہر ایک کے ذہن میں ہے نکال دیا جائے اور اسکی جگہ تمام فرقوں کے دل میں ایک احساس حفظ و امان پیدا کیا جائے۔ اس احساس حفظ و امان کی جستجو میں ہر فرقہ کی خواہش ہے کہ اپنے لئے ایک مقتدر حیثیت قائم رکھے یا حاصل کرے ہمیں یہ دیکھکر رنج ہے کہ جو روح فرقہ بندی کے بعض علمبرداروں میں جاری و ساری ہے وہ یہ نہیں ہے کہ خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو۔ احساس حفظ و امان کے پیدا کرنیکے طریقے صرف یہ ہیں کہ ضمانتیں اور حفاظتیں پیدا کیجائیں۔ جہانتک ممکن ہو تمدنی آزادی دی جائے (یعنی اپنی تہذیب و تمدن کے ترقی و رواج دینے میں ہر فرقہ کو آزاد چھوڑ دیا جائے) یہ احساس حفظ و امان، جداگانہ حلقۂ انتخاب اور نشستوں کے کبدے اور قابل اعتراض طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ ان سے صرف "ہتھیار بند صلح" کی سی صورت قائم ہوتی ہے۔

کل ہندوستان میں چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے انہیں خوف ہے کہ اکثریت انہیں دق کرے گی اور اس مشکل کو حل کرنیکے لئے انہوں نے ایک عجیب تجویز پیش کی ہے یعنی یہ کہ کم از کم ہندوستان کے بعض حصوں میں انکا غلبہ ہے۔ ہم اس جگہ پر انکے اس مطالبہ پر تنقید کرنا نہیں چاہتے۔ ممکن ہے موجودہ فرقہ وارانہ فضا پر نگاہ کرتے ہوئے اس میں کوئی جواز کا پہلو ہو۔ لیکن اس امر کا ہمیں ضرور احساس ہے کہ جن مقدمات سے ہم نے اپنی بحث کا آغاز کیا تھا ان سے اسکا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ بہترین تحفظ کی صورت یہی ہو کہ انسان خود غلبہ حاصل کرے۔ دوسری طرف ہندو اگرچہ تمام ہندوستان میں بڑی اکثریت میں ہیں مگر بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں انکی تعداد کم ہے۔ کل ہندوستان میں اکثریت ہونے کے باوجود ان صوبوں میں وہ مسلمانوں سے خائف ہیں۔

ہم ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ پر غلبہ نہیں چاہتے ممکن ہے ہم پورے طور پر اسکا سدباب نہ کر سکیں لیکن جو مقصد ہمارے پیش نظر ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے پر اقتدار نہ حاصل ہو بلکہ ہر فرد اور جماعت کو دوسرے فرد اور جماعت کے ظلم و تعدی سے بچایا جائے۔ اگر مکمل مذہبی آزادی دیدی جائے اور اپنی تہذیب تمدن کو فروغ دینے کا ہر فرقہ کو اختیار دے دیا جائے تو گو لوگ اس کو نہ سمجھ سکیں لیکن عملاً فرقہ بندی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

فرقہ وارانہ مجلسیں | اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اعلان حقوق میں متعدد دفعات ایسے رکھے ہیں جن سے ہر فرد کو ضمیر اور مذہب کی مکمل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہم نے فرقہ وارانہ مجلس کی تخلیق کی تجویز پر بھی غور کیا تاکہ تمام بڑے فرقوں کے تمدنی اغراض کا تحفظ ہو سکے۔ تجویز یہ تھی کہ ہر وہ فرقہ جس کی تعداد کسی صوبہ میں دس لاکھ، یا زیادہ ہو اسکا مستحق ہو گا کہ ان مقاصد کے لئے جنکا تجویز میں ذکر تھا ایک مجلس اپنے فرقہ کے نمائندوں کی بنا سکے۔ اس بات کا فیصلہ صوبہ کی کاؤنسل پر چھوڑا گیا تھا کہ مختلف فرقے ان مجالس کے لئے اپنے نمائندوں کو کس طرح منتخب کریں گے۔ ہر مجلس کے ارکان کی تعداد پچیس سے زیادہ نہ ہوگی۔ فرقہ وارانہ مجلس کے ذمہ مندرجہ ذیل کام ہونگے۔

(۱) ابتدائی تعلیم، درسگاہوں، یتیم خانوں، بیوہ خانوں، دھرم شالوں، سرایوں اور امدادی مرکزوں کی نگرانی۔

(۲) زبانوں اور رسم الخط کی سرپرستی و اعانت۔

فرقہ وارانہ مجلسوں کو اس تجویز میں یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ انجمنوں اور مدرسوں کے لئے مالی امداد اور وظیفوں کی سفارش کریں یہ امدادی رقمیں جماعت قانون ساز سے رائے لینے کے بعد صوبہ کی اور مرکزی حکومت دے گی۔

فرقہ وارانہ مجالس کے متعلق خاص باتیں یہ تھیں۔ یہ خیال ہمیں اس لئے تو پسند آیا کہ فرقہ بندی کی دوسری اور زیادہ بری شکلوں سے کچھ بہتر صورت تھی لیکن ہمارے بعض ساتھی اور متعدد احباب نے جن سے ہم نے مشورہ کیا اس تجویز کی نہایت سختی کے ساتھ، فرقہ وارانہ اور انتظامی وجوہ دونوں

اسباب کی بنیاد پر مخالفت کی، انکا یہ خیال تھا کہ یہ مجالس فرقہ بندی کو زندہ رکھنے میں مدد دیں گی اس لئے ہم نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

سیاسی پہلو سے فرقہ وارانہ مسئلہ ان مسائل میں تقسیم ہو جاتا ہے یعنی حلقہ ہائے انتخاب نشستوں کا تحفظ، سندھ کی علحدگی، بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کا طریقہ حکومت۔

جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب

اب اس امر کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب سراسر بری چیز ہیں اور ان کو ختم کر دینا چاہئے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ رجحان رہا ہے کہ ان کو "قیمتی حق" سمجھیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ ایک معتدبہ حصہ اس بات کے لئے تیار رہے کہ ان کو کسی دوسری چیز کے عوض ترک کر دے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب قومی روح کے نشوونما کے لئے مضر ہیں لیکن شاید ہر شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب اقلیت کیلئے اور بھی زیادہ مضرت رساں ہیں۔ وہ اکثریت کو اقلیت اور اسکی رائے سے بالکل بے نیاز اور عموماً مخالف کر دیتے ہیں۔ جداگانہ حلقہ انتخاب میں امکان یہ ہے کہ اقلیت کو ہمیشہ ایک مخالف اکثریت کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو محض تعداد کے زور پر ہمیشہ اس کی خواہشات کو پامال کرسکیگی، جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا یہ اثر نمایاں ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک تیسرے فریق کی موجودگی کی وجہ سے مسئلہ میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے اس طرح جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب صرف اکثریت کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ شدید فرقہ پرور لوگ اس کے سایہ میں فروغ پاتے ہیں اور اکثریت بجائے نقصان اٹھانیکے در اصل فائدہ حاصل کرتی ہے اسلئے نمائندگی کے معقول نظام کے قیام کی پہلی شرط یہ ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب یک قلم منسوخ کر دئے جائیں۔ ہمارے لئے مخلوط مشترک حلقہ ہائے انتخاب ہونا چاہئیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ سیلون ریفارم انکوائری کمیٹی کی جدید رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں تمام جزیرہ کے لئے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کو ترک کرنیکی سفارش کی گئی ہے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان

بلوچستان اور سرحدی صوبہ کے طرز حکومت کے متعلق ہماری رائے ہے کہ ان رقبوں کا رتبہ وہی کر دیا جائے جو دوسرے صوبوں کا ہے۔ ہم عقلاً و انصافاً

ہندوستان کے کسی حصہ کے اس حق سے انکار نہیں کرسکتے کہ وہ ذمہ دار حکومت میں شریک ہو آل پارٹیز کانفرنس نے اس سے اتفاق کرلیا ہے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی قابل لحاظ جماعت اس معقول مطالبہ کی مخالفت نہیں کرتی۔

جو مسائل باقی رہجاتے ہیں وہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی اور مجالس قانون ساز میں نشستوں کا تحفظ ہیں۔ ان مسائل کی دو گونہ اہمیت ہے فرقہ وارانہ اور عام۔ ہم نے نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر فرقہ وارانہ اور عام پہلو سے غور و بحث کو ایک دوسرے باب کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہاں علیحدگی سندھ کے مسئلہ کے فرقہ وارانہ پہلو کا سہولت کے ساتھ تصفیہ کیا جاسکتا ہے اور ہم اس کام کو شروع کرتے ہیں۔

سندھ واقعات کے ایک عجیب سلسلہ نے سندھ کو ہماری سیاسیات میں ایک معرکۃ الآرا حیثیت دیدی ہے یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو بمبئی سے اس کی علیحدگی کے چند سال پیشتر موافق تھے اب مخالف ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو اسکی علیحدگی کے مخالف تھے اب نہایت شد و مد سے اس بات کی خواہش کرتے ہیں۔ تمام ہندوستان اس معمولی سے مسئلہ پر بحث میں مبتلا ہے۔ یہ فوری اور ایک حد تک ناقابل فہم تبدیلی رائے ثابت کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ خیالات ہماری قوت فیصلہ کی اعلیٰ طاقتوں کو کس طرح مکدر اور مجروح کر دیتے ہیں۔ گذشتہ آٹھ برس میں جب سے کہ قومی کانگریس نے سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا ہے اسکے خلاف ایک آواز بھی نہیں اٹھی۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ فرقہ وارانہ رد و قدح اور اختلاف آرا کے موقعہ پر سلامت روی کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے تمام دلائل و وجوہ کی طرف توجہ نہ کیجائے اور مسئلہ پر جسقدر ٹھنڈے دل سے ممکن ہو سکے غور و فکر کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ لوگوں کے جذبات کا ایک جزو بن گیا ہے اور جذبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

سندھ اور دیگر مقامات کے ہندوؤں کی طرف سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ "فرقہ وارانہ صوبوں" کے بنائے جانے کے سخت مخالف ہیں۔ ہمیں اس سے اتفاق ہے کہ سندھ کی علیحدگی کے لئے مسلمانوں کا مطالبہ مناسب ترین الفاظ میں پیش نہیں کیا گیا۔ اسکی بنیاد فرقہ بندی پر رکھی گئی اور ان کو بعض ایسی بے تعلق چیزوں کے ساتھ نتھی کر دیا گیا جن سے اس مسئلہ کا کوئی سروکار نہ تھا۔ ہندوؤں کی

طرف سے جو اس کا جواب دیا گیا وہ سمجھ میں آتا ہے لیکن ایک تجویز کے پیش کرنے کے طریقے سے اس کے محاسن میں کوئی فرق نہیں آتا سوال ایک "فرقہ وارانہ صوبہ" کی تخلیق کا نہیں ہے۔ ہمیں واقعات کو واقعات کی طرح دیکھنا چاہیئے۔ تاریخی واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہندوستان کی آبادی کی موجودہ تقسیم کا ذمہ دار ہے۔ سندھ میں اتفاق وقت سے کثیر تعداد مسلمانوں کی ہو چاہے آپ ایک نیا صوبہ بنائیں یا نہ بنائیں سندھ کے علاقہ میں غلبہ مسلمانوں کا رہے گا۔ اور اگر اس بڑی اکثریت کی خواہشات منظور نہ کی گئیں تو اس نہ صرف اپنے معاملات کو آپ طے کرنے کا اصول پامال ہوگا بلکہ لازماً اکثریت میں ایک جذبہ عناد پیدا ہوگا۔ کوئی ہندوستانی جس کی تمنا ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ہو اور جو اُسے پرامن اور ہم آہنگ طریقہ پر ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہو اس نتیجہ سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ وسیع قومی نقطہ نگاہ سے یہ کہنا کہ کوئی فرقہ وارانہ صوبہ نہ تخلیق کیا جائے ایک طرح پر اس کے مرادف ہے کہ آپ وسیع تر بین الاقوامی نقطہ نگاہ سے کہیں کہ جیسا اگا نہ قوموں کا وجود معدوم ہونا چاہیئے۔ ان دونوں بیانات میں تھوڑی بہت سچائی ہو لیکن نہایت کٹر بین الاقوامی بھی اس امر کا اعتراف کرتا ہو ہے کہ بلا مکمل ترین قومی خود مختاری کے بین الاقوامی ریاست کا قائم کرنا غیر معمولی طور پر دشوار ہو بعینہ اسی انداز میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلا مکمل ترین تمدنی آزادی کے (اور فرقہ بندی اپنی بہترین شکل میں اختلاف تمدن ہی کا نام ہو) ایک ہم آہنگ قوم کا پیدا کرنا دشوار ہے۔

ہمیں شبہ ہو کہ علیحدگی کی حقیقی مخالفت کسی اعلیٰ قومی تخیل کی بنا پر نہیں ہو بلکہ محض پست اقتصادی اغراض اس کے محرک ہیں۔ ہندوؤں کو خوف ہو کہ انکی اقتصادی حیثیت کو صدمہ پہنچیگا اگر مسلمانو کو اس علیحدہ علاقہ میں انتظام مملکت تفویض کر دیا گیا۔ ہمیں یقین ہو کہ یہ خوف بے بنیاد ہو۔ ہندوستان کی تمام آبادی میں سندھ کے ہندو سب سے زیادہ اولوالعزم اور عالی ہمت ہیں۔ سیاح انہیں چار دانگ عالم میں پاتا ہے۔ ہر جگہ انکا نہایت اچھا کاروبار ہے اور پردیس کی کمائی سے یہ اپنے گھر کے لوگوں کو مالا مال کرتے ہیں۔ سندھ کے ہندوؤں سے انکی یہ اولوالعزمی اور عالی ہمتی کوئی شخص نہیں چھین سکتا اور جس وقت تک انہیں یہ نصیب ہے انکا مستقبل محفوظ ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ کرنا

چاہئے کہ ایک صوبہ کی حکومت کے اختیارات محدود ہیں اور ایک مرکزی حکومت بھی ہے جسے تمام اہم محکموں میں اقتدار حاصل ہے لیکن اگر اس کے بعد بھی کسی خوف کی وجہ باقی رہتی ہے تو مسئلہ تدابیر تحفظ کا رہجاتا ہے نہ کہ اس جائز مطالبہ کی مخالفت کا۔

اس لئے ہماری یہ رائے ہے کہ محض فرقہ وارانہ دلائل سے بھی سندھ کی علحدگی ثابت ہوتی ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہندوؤں کو اس کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے اور مسلمانوں کو فائدہ جس کا ہمیں کوئی احتمال نظر نہیں آتا تو ہمیں امید اور یقین ہے کہ ایک کے نقصان کا اندیشہ ور دوسرے کے فائدے کے امکان کو وسیع تر مقاصد کے حصول میں حائل نہ ہونے دیا جائیگا۔ ہم اس مسئلہ کے عام پہلو پر بعد میں بحث کریں گے۔ ہم اس امر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے شریک کار مسٹر آنے ہمارے تمام مندرجہ بالا خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے گو نتیجہ میں وہ ہم سے متفق ہیں۔

باب سوم

مسئلہ کا فرقہ وارانہ پہلو (گذشتہ سے پیوستہ)

نشستوں کا تحفظ

تبادل تجاویز

جہاں تک نشستوں کے تحفظ کا سوال ہے یہ معلوم ہوا کہ ہر جماعت اپنی رائے پر شدت کیساتھ قائم تھی اور کسی طرح اسکو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ مسلمان مصر تھے کہ پنجاب اور بنگال کی اکثریتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ ہو اور ہندو مہاسبھا اور سکھ لیگ اسی قدر شدت کے ساتھ اسکی مخالف تھیں کمیٹی نے مختلف تجاویز پر غور کیا جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ اقلیت اور اکثریت دونوں کے لئے آبادی کی بنیاد پر نشستوں کا تحفظ کیا جائے۔

۲۔ اکثریتوں کے لئے کچھ نشستوں کا تحفظ ہو اور باقی نشستوں کے لئے انکو مقابلہ کی اجازت اور آزادی ہو۔

۳۔ نمائندگی بہ اعتبار تناسب ہو۔

۴۔ صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحدی کو ملا دیا جائے اور نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو۔

۵۔ نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو بلکہ دستور اساسی میں پست اور غیر ترقی یافتہ جماعتوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے مخصوص حفاظتی تدابیر رکھی جائیں۔

قبل اس کے کہ ان تجاویز پر غور کیا جاتا جن میں سے بعض بالکل نئی تھیں کمیٹی کی رائے ہوئی کہ جن بڑی بڑی جماعتوں کا اس سے تعلق ہے انکے نمائندوں سے پہلے مشورہ کر لیا جائے۔ چنانچہ ۱۱ جون کو ایک دعوت نامہ ہندو مہاسبھا، آل انڈیا مسلم لیگ اور سکھ لیگ کے پاس بھیجا گیا کہ اپنی اپنی جماعت کیطرف سے ایک ایک یا دو دو نمائندے ۲۱ جون کو کمیٹی سے مشورہ کرنیکے لئے بھیجدیں۔ لیکن

ان دعوت ناموں کا جواب بہت زیادہ ہمت افزا نہ تھا ۔ ہندو مہا سبھا کے ناظم نے جواب دیا کہ وہ اس تاریخ پر اپنے کسی نمائندے کو بھیجنے سے معذور ہیں ۔ اور ناظم مسلم لیگ نے کوئی جواب ہی نہیں دیا ۔ سکھ لیگ اپنا نمائندہ بھیجنے کو تیار تھی لیکن چونکہ ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ کسی کو نہیں بھیج رہی تھیں اسلئے ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ نے اس کو ضروری نہیں خیال کیا کہ صرف سکھوں کے نمائندہ کو آنے کی زحمت دیجائے ۔ بعض دیگر حضرات جو ذاتی طور پر مدعو کئے گئے تھے وہ بھی نہ آسکے ۔ البتہ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری سے مشورہ کا ہمیں شرف حاصل ہوا جنہوں نے بذات خود تشریف لا کر اور اپنی رائے سے ہمیں سرفراز فرمانے کی زحمت گوارا کی ۔

مندرجہ بالا تجاویز زیر بحث و تمحیص دو متواتر نشستوں میں کی گئی جن میں ڈاکٹر انصاری صاحب بھی موجود تھے ۔ پہلی تجویز پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا لیکن بقیہ چار کے متعلق فیصلہ کیا گیا اس لئے قبل اس کے کہ اس اصل تجویز کو لیا جائے ، آخر الذکر تجاویز سے بحث کیجائے تو زیادہ آسانی ہوگی ۔

جزوی تحفظ | تجویز یہ تھی کہ پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھنے والی جماعت کے لئے کچھ نشستوں کا تحفظ کر دیا جائے اور باقی نشستوں کے لئے مقابلہ کرنیکی آزادی ہو ۔ اسی قسم کا جزوی تحفظ جنوبی ہند میں غیر برہمن جماعت کے لئے بھی کیا گیا تھا جو ابتک موجود ہے ۔ لیکن غیر برہمن جماعت کے لئے بھی اس قسم کا تحفظ بالکل غیر ضروری ثابت ہوا اس لئے کہ جہانتک ہمیں علم ہے اس جماعت نے محض اپنے ووٹوں کے زور سے ہمیشہ کہیں زیادہ نشستیں حاصل کیں اور کبھی تحفظ نشست والی دفعہ کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی ۔ بنگال یا پنجاب کیطرف سے تو کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ مسلم اکثریت بہت سی نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوگی ۔ البتہ مسلمانوں کو جو خطرہ ہے اور جو ہم میں سے اکثر کے نزدیک بالکل بلا وجہ ہے ، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت قائم نہ رہ سکیگی ۔ بہر صورت وہ اتنی نشستیں تو ضرور حاصل کرلیں گے کہ اگر انکی صاف صاف اکثریت نہو تو ان کی اقلیت اچھی خاصی قوی اور اکثریت سے کچھ ہی کم ہوگی ۔ اب اگر فرض کیجئے کہ انکو ۴۵ فیصدی نشستیں جیتنے کا یقین ہو تو پھر جزوی تحفظ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے ۔ ہم اکثریت یا اقلیت کسی کے لئے جزوی تحفظ کے خلاف نہیں ہیں اگر بقیہ نشستوں کے لئے مقابلہ کرنیکی آزادی ہو لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بنگال اور پنجاب کے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے اور اس سے

اصل صورت حال پر کوئی خاص اثر کسی طرح نہیں پڑتا۔

نمائندگی باعتبار تناسب | دوسری تجویز نمائندگی باعتبار تناسب کی ہے۔ اس طریق انتخاب اور نمائندگی کے مسئلہ پر غور کرنیکے لئے آل پارٹیز کانفرنس نے جو سب کمیٹی مقرر کی تھی اُس نے کوئی رپورٹ نہیں پیش کی البتہ بعض اراکین نے علیحدہ علیحدہ اپنی تحریریں بھیجی ہیں سردار منگل سنگھ نے اس تجویز کی تائید کی ہے لیکن مسٹر ... نے اس طریقہ کو پسند کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں یہ طریقہ قابل عمل نہیں ہے۔ ہم لوگ اس طریقہ کو اختیار کئے جانے کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور ہماری رائے ہے کہ مختلف جماعتوں کے خطرات کو دور کرنے اور انکے مطالبات کو پورا کرنے کا صرف یہی ایک معقول اور منصفانہ طریقہ ہے۔ اس میں ہر ایک اقلیت کے لئے گنجایش ہے اور مخالف جماعتوں کے مفاد کا از خود توازن قائم ہو جاتا ہے۔ ہمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نمائندگی باعتبار تناسب ہی مستقبل میں ہماری مشکلات کا حل ہو گی۔

اب سوال یہ ہے کہ کس حد تک یہ طریقہ فوراً قابل عمل ہے۔ بہت زیادہ زور اس طریقہ کی پیچیدگی اور ہندوستان میں رائے دہندگان کی عام بے علمی پر دیا جاتا ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ کتنا ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو لیکن اس کو عمل میں لانا اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ رائے دہندوں کو اتنی تعلیم نہ دیجائے کہ وہ اسکی اہمیت کو سمجھنے لگیں ہم اس دشواری کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعی بہت بڑی دشواری ہے لیکن پھر بھی ہمارا خیال ہے کہ اسمیں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ نمائندگی باعتبار تناسب کے لئے رائے دہندگان میں قابلیت کے اعلیٰ معیار کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے جتنی کہ رائے لینے والے افسروں میں اور ان لوگوں میں مہارت کی جو رائے شمار کرتے ہیں اور ایک شخص کے ووٹ دوسرے کے نام منتقل کرتے ہیں اور اسمیں کسی شبہ کی گنجایش نہیں ہے کہ ایسے ہندوستانی کافی تعداد میں موجود ہیں جو قابل اطمینان طور پر رائے شماری کا کام انجام دینے کی کافی اہلیت رکھتے ہیں جہانتک کہ عام رائے دہندگان کا تعلق ہے یہ بالکل درست ہے کہ باعتبار قابلیت صحیح انتخاب کرنیکے لئے ایک حد تک سمجھ کی ضرورت ہے لیکن اس کی تو اس وقت بھی ضرورت ہے جب صرف ایک رکن والے حلقہ انتخاب میں رائے دہندگان اپنے حق

انتخاب کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ خود جمہوریت پسند انگلستان میں بھی یہ اعلیٰ معیار مفقود ہے اور اہم سیاسی مسائل کو پیش نظر رکھکر نہیں دیے جاتے ہیں بلکہ بہت معمولی اور بعض اوقات بہت ہی قابل اعتراض اور ناجائز اغراض کی وجہ سے جو انتخاب کے زمانہ میں سامنے آجاتی ہیں: ۔ گذشتہ زمانہ میں انگلستان کے عام انتخابات سابق قیصر کو پھانسی پر لٹکانے یا ایک جعلی خط کی بنیاد پر لڑے گئے ہیں اور جو لوگ ایک سلطنت پر حکومت کرنے والے اور تمام دنیا کی سیاست پر اثر ڈالنے والے تھے انکا انتخاب ایسے وجوہ سے کیا گیا کہ ہر سمجھدار شخص جمہوریت کی طرف سے مایوس ہوجاتا ہے۔ ابتداءً ہندوستان میں رائے دہندوں کا معیار قابلیت انگریز رائے دہندوں کے مقابلہ میں یقیناً کم ہوگا۔ لیکن یہ دلیل نمائندگی باعتبار تناسب کے مخالف اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ خود نظام جمہوریت کے خلاف ہے۔ ہمارے سامنے دوسری دلیل جو نمائندگی باعتبار تناسب کے خلاف پیش کی گئی وہ یہ ہے کہ اس کے بعد جاہل رائے دہندے پوشیدہ طور پر رائے نہ دے سکیں گے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ تدبیر اختیار کیجائے کہ ہر امیدوار کے تین بکس ایک ہی رنگ کے ہوں اور ہر بکس پر مختلف نشان پہلی پسند، دوسری پسند اور تیسری پسند ظاہر کرنے کے لئے بنے ہوئے ہوں تو یہ اعتراض دور ہوجائیگا لیکن یہ تو آج کل کے معمولی انتخابات میں بھی جاہل رائے دہندوں پر صادق آتا ہے۔ مالٹا میں جہاں ایک بہت بڑی تعداد جاہل رائے دہندوں کی ہے نمائندگی باعتبار تناسب کو کامیابی کے ساتھ آزمایا گیا ہے۔ لیکن ہم اس چھوٹے سے جزیرہ کا مقابلہ اپنے اس وسیع اور کروڑوں کی آبادی رکھنے والے ملک کے ساتھ نہیں کرسکتے۔

ہم میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ نمائندگی باعتبار تناسب کا ہندوستان کے اندر تجربہ کرنے میں ایسی سخت دشواریاں حائل نہیں ہیں، جن کو دور نہ کیا جاسکتا ہو۔ اسمیں کمزوریاں ہیں اور کچھ خطرات ہیں لیکن کوئی تجویز جس پر ہم نے غور کیا ہے ایسی نہیں ہے جو اعتراض سے خالی ہو اور ان میں سے بعض میں تو اصل اصول کو ترک کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شاید مزید مشکلات پیش آئیں۔ بہرکیف ہمارے بعض رفقا مطمئن نہیں ہیں کہ نمائندگی باعتبار تناسب کے طریقہ کو اس وقت ہندوستان میں رواج دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کی سفارش کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

پنجاب اور صوبہ سرحدی کو ملانے کی تجویز۔

یہ تجویز کی گئی تھی کہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو پنجاب کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس صوبہ میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو۔ اس تجویز پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ جن مختلف فرقوں کا اس سے تعلق ہے وہ کہاں تک اس تجویز سے اتفاق کریں گے اگر وہ لوگ اس کو منظور کر لیں تو ہم بخوشی اس کی سفارش کرینگے اسمیں کوئی خاص اصولی سوال پیدا نہیں ہوتا اسکا تسلیم کرنا یا نہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ وہ لوگ اس کو قبول کریں گے یا نہیں۔ ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ اس تجویز کو پسند نہیں کرتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ بعض دوسرے لوگوں کی بھی یہی رائے ہوگی اس لئے ہم اس بارہ میں کوئی سفارش نہیں کرتے۔

پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان کو ملانیکی تجویز۔

بالکل اسی طرح کی لیکن اس سے زیادہ وسیع الاثر ایک دوسری تجویز بھی ہمارے سامنے پیش کی گئی کہ پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا جائے اور اس صوبہ میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو جب تک اقلیت خود اس کی خواہش نہ کرے۔ ہم نے اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ایک ایسا بے ڈھنگا صوبہ بنا دیا جائے جو تمام شمال اور شمال مغربی حصہ کو گھیر لے۔

پنجاب میں کوئی تحفظ نشست نہ ہو

ایک دوسری تجویز پنجاب کے متعلق یہ تھی کہ نشستوں میں کسی قسم کا تحفظ نہ کیا جائے بلکہ دستور اساسی میں پست جماعتوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے خصوصیت کے ساتھ حفاظتی تدابیر رکھی جائیں ہم لوگ بڑی مسرت کے ساتھ اس قسم کے حل کا خیر مقدم کریں گے۔ اگر اس پر لوگ راضی ہو جائیں لیکن ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت اس تجویز کے متفقہ طور پر منظور ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ورنہ فرقہ وارانہ جھگڑے ہوتے ہی نہیں۔ ہم نے اپنے دستور اساسی کے مسودہ میں اقلیتوں کی حفاظت کے لئے اور پست جماعتوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے خاص دفعات شامل کر لی ہیں ہم بہت خوشی کے ساتھ ان دفعات میں اضافہ کر دیں اگر اس طریقہ سے ہم کسی جماعت کے دل سے خطرہ دور کر سکیں اور تحفظ نشست نیز دیگر فرقہ وارانہ وقتی تدابیر کو چھوڑ سکیں موجودہ فضا میں اس مضمون پر اور زیادہ لکھنا بے سود ہے۔

آبادی کے لحاظ سے نشستوں کا تحفظ

اب ہم اصل مسئلہ کو لیتے ہیں یعنی قلیت اور اکثریت دونوں کے لئے آبادی کے لحاظ سے نشستوں کا تحفظ۔

تمہید

اس سے تو کبھی کسی نے سنجیدگی کے ساتھ انکار نہیں کیا کہ جماعتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ اصولاً اسی قدر بُرا ہے جتنا کہ فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب لیکن بعض وجوہ اور مصالح کی بنا پر ایک مدت کے لئے فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب اور عام مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کے درمیانی زمانہ کے لئے اس قسم کے تحفظ کی سفارش کی گئی تھی اور خیال یہ تھا کہ اس درمیانی زمانہ میں ایک جماعت کی طرف سے دوسری کی بے اعتمادی اگر بالکل رفع نہ ہو گئی تو کم ہو جائے گی اس قسم کے دلائل اس وقت بھی پیش کئے گئے تھے جب لکھنؤ کا معاہدہ مرتب کیا گیا تھا لیکن گذشتہ ۱۲ سال کے تجربات نے ان توقعات کو باطل کر دیا جو اس وقت قائم کی گئی تھیں۔ فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب موجودہ فرقہ وارانہ اختلافات کی افزونی کے ذمہ وار ہوں یا نہ ہوں لیکن مختلف جماعتوں کے درمیان جیسا کہ امید تھی سمجھوتہ اور اتحاد پیدا کرتے ہیں یقیناً یہ ناکام رہے ہیں کسی جماعت کے لئے خواہ وہ اقلیت ہو یا اکثریت نشستوں کا تحفظ کر دینا گویا فرقہ پروری کو تسلیم کر لینا ہے اور اس میں اور فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب میں بہت تھوڑا فرق رہ جاتا ہے۔

اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ

اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کی مخالفت بہت شدت کیساتھ کی گئی ہے۔ اصولی حیثیت سے بھی اور واقعات کی بنا پر بھی یہ سوال صرف پنجاب اور بنگال میں پیدا ہوتا ہے جہاں مسلمان دوسری جماعت کے مقابلہ میں بہت قلیل اکثریت میں ہیں۔ کسی دوسرے صوبہ میں کسی اور اکثریت کی طرف سے اس کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں ہمیں صرف پنجاب اور بنگال کے مسئلہ ہی پر غور کرنا ہے۔

ہمارے خیال میں تو ہندوستان کے تمام صوبوں میں صرف بنگال اور پنجاب ہی ایسے خوش قسمت صوبے ہیں جہاں کی آبادی کی تقسیم ایسی ہے کہ کسی ایک فرقہ یا جماعت کے لئے اس کا بہت کم موقع ہے کہ دوسری جماعت یا فرقہ پر غلبہ حاصل کرے اس کو ستائے اور اس کی ترقی کی راہ میں رخنہ ڈالے

گو کہ ایک فرقہ کے لوگ دونوں صوبوں میں قطعی اکثریت میں ہیں لیکن دوسرے فرقے بھی اتنے کافی اور مضبوط ہیں کہ اپنے مفاد کی اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں اور ظلم و استبداد کو روک سکتے ہیں۔ نظری حیثیت سے تو اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کی حمایت ناممکن ہے۔ یہ اکثریت اور اقلیت دونوں کی ترقی اور نشو و نما میں حائل ہے اور لازماً قومی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے گی اور ہمارا خیال ہے کہ اکثریت کے لئے خصوصیت کیساتھ یہ نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ اس کو اپنی حیثیت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے قانون کی حمایت پر انحصار کرنا پڑتا ہے نہ کہ خود اپنی ذاتی قوت پر۔ اگر کچھ دنوں تک اسی قسم کا تحفظ قائم رہے تو جماعتیں اپنی خود اعتمادی کو نیز اُن تمام اوصاف کو کھو بیٹھتی ہیں جن سے کسی قوم کی تعمیر ہوتی ہے اور اُس کی تخلیقی قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ عموماً ہر اکثریت اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں جیت لیتی ہے اگر انتخاب کا طریقہ "نمائندگی باعتبار تناسب" نہو، اور یہ بالکل ظاہر ہے اس وجہ سے کہ اکثریت کی آبادی اس طرح پھیلی ہوئی ہو سکتی ہے کہ تمام یا کم از کم اکثر حلقہ ہائے انتخاب میں وہ غالب ہوں، چنانچہ اکثریت کا اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں جیت لینا اور اقلیتوں کے حدود میں دست اندازی کرنے کا خطرہ اس پر مجبور کرتا ہے کہ اقلیت کے مفاد کی حفاظت کیجائے۔

اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ یا کوئی دوسرا طریقہ تحفظ حقیقی نیابتی اور ذمہ دار حکومت کے خلاف ہے۔ اس سے صریح طور پر رائے دہندوں کے اس حق میں دخل اندازی ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہیں منتخب کریں۔ اس کے علاوہ مجالس قانون ساز کے اندر اور باہر دوسری اور زیادہ فطری جماعت بندیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ایسا کرنے سے فرقہ پروری کی رسی دراز ہو جائے گی۔ ہر شخص فرقہ وارانہ جذبات پر افسوس کرتا ہے اور اس کو موجودہ سیاست سے خارج کرنے کا آرزومند ہے لیکن ظاہر ہے کہ محض اتحاد کے متعلق گفتگو کرنے سے اور محض نیک آرزوئیں رکھنے سے یہ چیز دور نہیں ہو سکتی ہے۔ فرقہ وارانہ جذبات اس وقت دور ہوں گے جب لوگوں کی توجہ کسی دوسری طرف مبذول کیجائے اور جب وہ اُن مسائل میں دلچسپی لینے لگیں جنکا اثر اُن کی روزانہ زندگی پر پڑتا ہے اور وہ خیالی خطرات دور ہو جائیں جن کی بنیاد سوسائٹی کی موجودہ مصنوعی تقسیم میں ہے۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنا چاہئے کہ لوگوں میں

اس قسم کی دلچسپی پیدا کریں اور اس دلچسپی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے دیں۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکثریت کے نشستوں کا تحفظ یا کسی دوسرے طریق پر کوئی تحفظ کرنا ہمارے اعلیٰ قومی مقاصد کی راہ میں حائل ہوگا۔

تحفظ نشست کے طریقے اگر ان طریقوں کو جانچا جائے جن کے ذریعہ سے اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کیا جا سکتا ہے تو ظاہر ہوگا کہ وہ نہ صرف نیابتی حکومت کی نفی کرتے ہیں بلکہ اس اصول کے صریح منافی ہیں جن پر ذمہ دار حکومت قائم ہوتی ہے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کا مجوزہ طریقہ ان میں سے ایک طریقہ احاطہ مدراس اور بمبئی کے بعض حصص میں غیر برہمن جماعت کی بڑی اکثریت کے لئے کچھ نشستوں کے تحفظ کے واسطے استعمال کیا گیا ہے۔ بڑی جماعت جو احاطہ مدراس کی ۹۶ فیصدی آبادی پر مشتمل ہے ساؤتھ برو کمیٹی کی سفارش پر حکومت کو اس امر پر راضی کرنے میں کامیاب ہوئی کہ ۹۸ نشستوں میں سے ۲۸ نشستیں ان کے لئے محفوظ کر دی جائیں تاکہ برہمنوں کی مختصر اقلیت سے جو کل آبادی کی ۲½ فیصدی سے زیادہ نہیں ہیں محفوظ ہے، جس صورت میں یہ نشستیں محفوظ کی گئیں وہ یہ تھی کہ خاص غیر برہمنوں کے دو حلقہ ہائے انتخاب بنائے گئے جن میں ایک کی طرف سے ایک نمائندہ منتخب ہو سکتا تھا۔ باقی حلقہ ہائے انتخاب میں سے ۲۵ ایسے تھے جن کی طرف سے ایک سے زائد نمائندہ ہوتے تھے یعنی ہر حلقہ کی طرف سے تین یا چار، خاص شہر مدراس کے ۴ نمائندوں میں دو نمائندوں کا غیر برہمن ہونا ضروری تھا اور باقی ۲۴ حلقوں میں ہر حلقہ کی طرف سے ایک غیر برہمن نمائندہ ہونا ضروری تھا۔ اس کے متعلق قاعدہ یوں بیان کیا گیا کہ "جب رایوں کا شمار ختم ہو جائے تو رائے لینے والا افسر اس امیدوار یا کئی امیدواروں کے (جیسی صورت ہو) انتخاب کا اعلان کر دیگا جنکو سب سے زیادہ رائیں ملی ہوں لیکن اگر ایک یا اس سے زیادہ نشستیں محفوظ ہوں تو رائے لینے والا افسر پہلے اس غیر برہمن امیدوار یا امیدواران (جیسی صورت ہو) کے انتخاب کا اعلان کریگا جن کو سب سے زیادہ رائیں ملی ہیں۔"

اس قاعدہ کی مثال کے طور پر شہر مدراس کو لیجئے جہاں مخلوط انتخاب میں چند نشستوں میں سے دو غیر برہمنوں کے لئے محفوظ ہیں اب فرض کیجئے کہ کسی غیر برہمن امیدوار نے اتنی کافی رائیں نہیں پائیں

کہ ان چھ امیدواروں میں اسکا شمار ہو سکے جنہوں نے سب سے زیادہ رائیں مقابلہ میں حاصل کی ہیں اور یہ کہ جن غیر برہمن امیدواروں نے کچھ رائیں حاصل کی ہیں انکا نام فہرست کے بالکل آخر میں کہیں آتا ہے۔ اب اس قاعدے کے ماتحت جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے ان میں سے دو غیر برہمن امیدواروں کے انتخاب کا فوراً اعلان کر دیا جائیگا اور فہرست میں پانچویں اور چھٹے امیدوار کو اپنی جگہ انکے لئے چھوڑنی ہو گی۔ اس طرح پر جہاں تک کہ غیر برہمنوں کا تعلق ہے رائے دہندوں کی پسند کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے خواہ ان ہی کی جماعت کی اکثریت نے انکے خلاف رائے کیوں نہ دی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دو نمائندے کس کی نیابت کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ کسی طرح بھی رائے دہندوں کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے اور نہ غالباً غیر برہمن جماعت کی اکثریت کے یہ نمائندے ہیں وہ ایک ایسے سبب کے قاعدہ سے منتخب ہوئے ہیں جو کسی اصول پر مبنی نہیں ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ مدراس کے غیر برہمنوں کے تمام خطرات اور اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی ایک موقع پر بھی اس قاعدہ پر عمل کرنیکی ضرورت نہیں پڑی۔

یہی کیا کم برا ہے کہ ایک نیابتی مجلس میں ۲۰ ارکین اس قسم کے ہوں لیکن جب ارکین کی اکثریت کا انتخاب اس صورت سے کیا جائے اور انہیں میں سے وزارت مرتب کیجائے تو پھر نیابتی حکومت محض ایک ڈھونگ اور تماشا بن کر رہجاتی ہے۔

معاہدہ شدہ والا طریقہ | ایک اور طریقہ اقلیت اور اکثریت دونوں کے لئے تحفظ نشست کا موتمر معاہدہ شدہ کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ معاہدہ کی دفعہ پانچ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے طریقہ کو حقیقتہً کامیاب بنانے کے لئے ہر حلقہ انتخاب کے رائے دہندگان کی ایک مشترکہ فہرست ہو گی اور مسلم اور غیر مسلم نمائندوں کا انتخاب علیحدہ علیحدہ لیکن ایک ہی دن ہوگا تاکہ تمام مسلم اور غیر مسلم رائے دہندگان کو دونوں انتخابات میں علیحدہ علیحدہ رائے دینے کا حق ہو اور موقع بھی ملے۔ اس طریقہ سے منتخب شدہ ارکین گویا پورے حلقہ انتخاب کی طرف سے منتخب کئے جائیں گے نہ صرف اپنی جماعت کے رائے دہندگان کی رائے سے۔"

اس طریقہ میں جو خوبی بتلائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح جو ارکین منتخب ہونگے وہ نہ صرف اپنی

جماعت کے رائے دہندوں کی طرف سے بلکہ پورے حلقہ انتخاب کیطرف سے منتخب ہونگے"۔ مگر اس غرض کے لئے یہ ضروری نہیں ہو کہ انتخابات علیحدہ علیحدہ ہوں اسلئے ایک انتخاب میں بھی تمام رائے دینے والوں (مسلم اور غیر مسلم) کو رائے دینے کا حق اور موقع ملے گا۔ اس ذریعہ کا اصل مقصد ہمارے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلم امیدواروں کے درمیان مقابلہ سے گریز کیا جائے اور تعداد کے مطابق انکی نشستیں محفوظ ہو جائیں لیکن ہمارے خیال میں علاوہ اس کے کہ اس قسم کا مقابلہ اس لئے ضروری ہو کہ رائے دہندہ آزادی کے ساتھ اپنے حق انتخاب کو استعمال کر سکے۔ اس مجوزہ طریقہ میں ہندو رائے دینے والے کے لئے اس کا موقع نہیں رہتا کہ اپنی جماعت کے امیدوار کے مقابلہ میں کسی مسلمان امیدوار کو رائے دے سکے یا اسی طرح مسلمان ہندو کو۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں جماعتوں کے امیدواروں کے لئے دو علیحدہ انتخابات کے نتائج وہی نہیں ہو سکتے جو دونوں کے لئے ایک ہی انتخاب سے ہوں گے اور علیحدہ انتخابات میں اکثریت والی جماعت کے لئے زیادہ مواقع ہوں گے کہ اپنی رایوں کے ذریعہ سے اقلیت والی جماعت میں سے اپنے آدمیوں کو منتخب کرا لیں۔

دونوں طریقے ناقابل اطمینان ہیں

اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ جن دو طریقوں سے اوپر بحث کی گئی ہے ان میں سے کوئی بھی قابل اطمینان نتائج نہیں پیدا کر سکتا۔ تیسرا اور آخری طریقہ جو ہمیں معلوم ہے وہ فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کا ہے جس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں، فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کو ترک کر دینے کا مقصد یہی ہے کہ انتخابات کے زمانہ میں ایک جماعت کو دوسری جماعت کا دست نگر بنا کر فرقہ وارانہ اتحاد کو ترقی دیجائے لیکن مخلوط حلقہ ہائے انتخاب میں اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کرنے سے فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا اس وجہ سے کہ اکثریت والی جماعت کو بہر صورت اور بہر حال بغیر دوسری جماعتوں کی امداد کے اپنے حصہ کی کل نشستوں کے حاصل کرنے کا یقین ہوگا۔ انفرادی حیثیت سے بعض امیدوار اپنی جماعت کے دوسرے مقابل امیدوار کے خلاف دوسری جماعت کی رائے لینے کے لئے دوسری جماعت کے رائے دہندوں کے پاس جائیں تو بلاشبہ کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ غالباً شدید فرقہ وارانہ کشیدگی کے وقت یہ خفیف سا فائدہ بھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔

ایک طرف اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ پر اصرار اور دوسری طرف کامل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ لغو سی بات ہے۔ ذمہ دار حکومت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ اس میں مجلس عاملہ مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہو اور مجلس قانون ساز رائے دہندگان کے سامنے۔ پھر اگر مجلس عاملہ کے اراکین اکثریت کے بل بوتے پر رائے دہندگان کے انتخاب سے نہیں بلکہ تحفظ نشست کی بدولت برسرحکومت آجائیں تو نہ رائے دہندگان کی نمائندگی اور نیابت ہوگی اور نہ یہ ذمہ دار حکومت کہی جاسکتی ہے۔ اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کردینا گویا اس جماعت کو قانوناً یہ حق دیدینا ہے کہ وہ ملک پر رائے دینے والوں کی خواہشوں سے بے نیاز ہوکر حکومت کرے اور یہ بات جمہوری حکومت کے تمام تصورات کے منافی ہے۔ یہ اقلیتوں کو ایک چاردیواری کے اندر محصور کردیتا ہے اور انکی ترقی اور پھیلاؤ کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔

انتخابات کے نقائص | ہم نے مذکورہ بالا ملاحظات کی بنیاد اُن اصولوں پر رکھی ہے جن کا اطلاق عام طور پر نیابتی حکومت پر کیا جاتا ہے۔ ہم اس سے واقف ہیں کہ یہ اصول بھی عملی حیثیت سے ناقص ثابت ہو ہیں اور بعض حلقوں میں خود جمہوری نظام حکومت پر بھی بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں لیکن یہ کمیٹی ان مباحث میں نہیں پڑسکتی اور ہمیں اپنی ارتقاء کے اس دور میں لازماً ان اصولوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے انتخابات میں کارفرما ہیں۔ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ جس طریق انتخاب کی ہم نے سفارش کی ہے بعض اوقات اکثریت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے جیسا کہ گذشتہ برطانوی انتخابات جن میں بڑی اکثریت ان اراکین کی منتخب ہوئی جن کو رائے دہندگان کی صرف اقلیت کی تائید حاصل تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ زیادہ تر اس وجہ سے ہوا کہ رائے دینے والوں کی تقسیم غیر مساوی تھی اور جن امیدواروں کو رایوں کی ضرورت نہ تھی ان پر بہت سی رائیں ضائع کی گئیں۔ اسکا صرف ایک ہی علاج ہے یعنی نمائندگی باعتبار تناسب جس کے لئے بوجوہ مذکورہ بالا اس وقت سفارش کرنے سے ہم نے احتراز کیا ہے۔

واقعات اور اعداد و شمار | اب تک ہم نے اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر اصولی حیثیت سے

غور کیا ہے لیکن اس قسم کے تحفظ کے خلاف سب سے بڑی دلیل اعداد و شمار فراہم کرتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کے لئے ہم پنڈت جواہر لال نہرو کے ممنون ہیں جو ضمیمہ جات الف اور ب میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جن کو بڑی محنت و کاوش سے انہوں نے بنگال اور پنجاب (یہی وہ دو صوبے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے) کی گذشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے مرتب کیا ہے۔ یہ اعداد و شمار قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ان دو صوبوں میں مسلمانوں کو جو خطرات ہیں واقعتہً انکی کوئی بنیاد نہیں اور فی الحقیقت انہیں اپنی اکثریت کے تمام فوائد حاصل کرنے کے لئے کسی خارجی امداد کی ضرورت نہیں۔ دلیل پیش کیجاتی ہے کہ مسلمان کافی نمائندگی حاصل نہیں کر سکیں گے اور خفیف سی اکثریت جو ان کو حاصل ہے وہ انکی اقتصادی اور تعلیمی پستی کی وجہ سے ان صوبوں میں جاتی رہے گی۔ اس دلیل کا تمامتر زور جو دونوں صوبوں کی کل آبادی پر مبنی ہے ختم ہو جاتا ہے جب ہم تفصیل کے ساتھ ان اعداد و شمار کی جانچ کرتے ہیں جو ان اضلاع اور قسمتوں سے متعلق ہیں جن پر یہ آبادی مشتمل ہے۔

پنجاب اور بنگال کی آبادی کے اعداد و شمار کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مسلمانوں کو بغیر کسی تحفظ نشست کے مخلوط حلقہ ہائے انتخاب سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ان اعداد و شمار سے جو ضمیمہ میں دئے گئے ہیں یہ واضح ہو جائے گا کہ پنجاب اور بنگال دونوں میں آبادی کی تقسیم اس طرح پر ہوئی ہے کہ ان صوبوں کے اکثر جغرافی اور انتظامی حصوں میں مسلم اکثریت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا کہ کل صوبے میں ملا کر نظر آتی ہے۔ اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جماعتوں کے لئے قدرتی طور پر ایک قسم کا تحفظ ہو گیا ہے جس سے ہر جماعت کی نمائندگی اس سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے جتنی مصنوعی تحفظ نشست کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

پنجاب | صوبہ پنجاب کا شمالی اور شمالی مغربی حصہ گویا اسلامی علاقہ ہے جہاں مسلمان اپنی کثرت آبادی کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں اور کوئی دوسری جماعت انکے حدود میں دست اندازی نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ہم جنوب میں بھی ایک رقبہ دیکھتے ہیں جس کو ہندو علاقہ کہہ سکتے ہیں یعنی جہاں ہندو اور سکھوں کی آبادی چھائی ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا رقبہ ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے

لیکن بہت زیادہ چھائے ہوئے نہیں ہیں اس تجزیے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پنجاب میں مسلمان یقینی طور پر ۴۷ فیصدی نشستیں محض اپنے مخصوص حلقوں سے حاصل کریں گے۔ دوسری طرف ہندو اور سکھ مشترکہ طور پر تقریباً ۳۰ فیصدی نشستیں حاصل کریں گے۔ باقی ماندہ ۲۳ فیصدی نشستیں یا تو ان حلقوں میں ہوں گی جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے یا جہاں مسلمان علیحدہ علیحدہ ہر جماعت سے قوی ہیں۔ غرض تمام اتفاقی امور کا لحاظ رکھکر بھی ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کسی صورت میں بھی مسلمان اتنی نشستیں نہ حاصل کر سکیں گے جس سے صوبہ کی مجلس قانون ساز میں انکی کھلی ہوئی اکثریت ہو جائے۔

ہم نے آبادی کے متعلق تمام اعداد و شمار سے پنجاب کے ہر ہر ضلع کے متعلق علیحدہ علیحدہ نہایت تفصیل کے ساتھ منسلکہ ضمیمہ الف میں بحث کی ہے لیکن اس جگہ بھی ان میں سے بعض کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

صوبہ پنجاب (برطانوی علاقہ) کی کل آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے وقت حسب ذیل تھی

مسلمان	۱۱۴۴۴۳۲۱	۵۵٫۳	فیصدی
ہندو	۶۵۷۹۳۶۰	۳۱٫۸	"
سکھ	۲۲۹۴۲۰۷	۱۱٫۱	"
دوسری جماعتیں (زیادہ تر عیسائی)	۳۶۷۲۳۶	۱٫۸	"
پنجاب کی کل آبادی	۲۰۶۸۵۰۲۴	۱۰۰	فیصدی

پنجاب میں کل ۲۹ اضلاع ہیں جن کو ہم لوگوں نے حسب ذیل چار علاقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پندرہ اضلاع اس علاقہ میں ہیں جہاں مسلمان کثرت آبادی کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں ایک ضلع میں مسلمان تقریباً ۹۰ فیصدی ہیں نو اضلاع میں ۸۰ اور ۹۰ فیصدی کے درمیان۔ دو ضلعوں میں ۱۷ فیصدی یا کچھ زیادہ، اور باقی تین اضلاع میں ۶۳٫۳، ۶۱٫۹ اور ۶۰٫۷۔ ہم نے آخری تین اضلاع کو اس علاقہ میں اس لئے شامل کر لیا ہے کہ اگرچہ یہاں مسلمانوں کا فیصدی اوسط پاس کی علاقوں کی طرح بہت زیادہ نہیں ہے پھر بھی ہندو اور سکھوں کو ملا کر دونوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے چنانچہ ایک ضلع میں (شیخوپورہ)

مسلمان ۴۳ر۶۳ نیصدی ہیں۔ ہندو ۲ر۱۴ فیصدی، سکھ ۹ر۱۵ فیصدی، سیالکوٹ میں مسلمان ۹ر۶۱ فی صدی، ہندو ۵ر۱۹ فیصدی ہیں اور سکھ کل ۹ فیصدی لائل پور میں مسلمان ۷ر۶۰ فیصدی ہندو ۸ر۱۸ فیصدی اور سکھ ۴ر۱۹ فیصدی ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ ان تمام اضلاع میں غیر مسلم اقلیت ایک جماعت پر مشتمل نہیں ہے بلکہ بہت سی جماعتیں مثلاً ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ شامل ہیں۔ اب جیسا کہ ہم نے کسی دوسری جگہ تجویز کیا ہے کہ اگر ایک لاکھ کی آبادی کو مجلس قانون ساز میں ایک رکن بھیجنے کا حق دیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ صرف اس مخصوص مسلم علاقہ سے ۸۹ اراکین منتخب ہوں گے اور یہ تعداد مجلس قانون ساز کے کل اراکین کی تعداد کے ۷ر۴۳ فیصدی کے مساوی ہے۔

۲- دو اضلاع (لاہور اور گورداسپور) ایسے ہیں جنہیں مسلمانوں کی غالب اکثریت کا علاقہ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں مسلمان ہندو اور سکھ دونوں کے مقابلہ میں غالب تعداد میں ہیں مثلاً لاہور میں کل آبادی کا ۴ر۵۷ فیصدی حصہ مسلمان ہیں۔ پھر بھی مسلمان یہاں اتنی کثرت سے نہیں ہیں جتنے علاقہ ۱ میں۔ ان دو اضلاع سے مجلس قانون ساز کے اراکین کی تعداد ½۱۹ یعنی کل اراکین کی تعداد کا ۴ر۹ فیصدی ہے۔

۳- تین اضلاع ایسے ہیں جہاں کوئی جماعت غالب نہیں ہے لیکن یہاں بھی مسلمانوں کی جماعت دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں علیحدہ علیحدہ بہت زیادہ قوی ہے۔ ان اضلاع سے اراکین مجلس کی تعداد ½۲۷ یعنی کل تعداد کی ۳ر۱۳ فیصدی ہے۔

۴- ۹ اضلاع ایسے ہیں جن کو ہندوؤں اور سکھوں کا علاقہ ان کی کثرت آبادی کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے۔ اس علاقہ سے اراکین کی تعداد ½۶۱ یعنی کل تعداد کی ۷ر۲۹ فیصدی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ۷ر۴۳ فیصدی نشستیں یقینی ہیں اور ۴ر۹ نشستوں میں سے اکثر کے حاصل کر لینے کا انہیں پورا موقع ہے۔ اور تیسرے علاقہ کے ۳ر۱۳ فیصدی سے کچھ نشستوں کے حاصل کرنے کا اچھا خاصا موقع ہے۔ اس صورت میں جہاں تک انسانی نظر دیکھ سکتی ہے مجلس قانون ساز میں ہر طرح ان کی کھلی ہوئی اکثریت یقینی ہے۔

بنگال | بنگال کے اعداد و شمار اور زیادہ روشن اور صاف ہیں منسلکہ ضمیمہ (ب) میں ان پر بتفصیل بحث کی گئی ہے۔ ہم یہاں پر صرف اسکا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ آبادی کے اعداد و شمار یہ ہیں :-

مسلمان	۲۵۴۱۰۸۰۲	۵۴ فیصدی
ہندو	۲۰۲۰۳۵۲۷	۴۳٫۳ "
دوسرے لوگ (زیادہ قبائلی مذہب والے اور عیسائی)	۱۳۸۱۲۰۷	۲٫۷ "
بنگال کی کل آبادی (برطانوی علاقہ)	۴۶۶۹۵۵۳۶	۱۰۰ فیصدی

یہاں بھی پنجاب کی طرح مقررہ علاقے ملتے ہیں:-

۱- وہ علاقہ جہاں مسلمان چھائے ہوئے ہیں، ایسے ۱۳ اضلاع ہیں جن میں سے ۱۴۸ اراکین مجلس منتخب ہونگے یعنی ۶۰ فیصدی

۲- وہ علاقہ جہاں مسلمان غالب ہیں اس میں دو ضلعے ہیں جن میں سے ۱۳ اراکین یعنی کل تعداد کے پانچ فیصدی۔

۳- غیر جانبدار علاقہ یا وہ علاقہ جہاں ہندو غالب ہیں اس میں ۴ اضلاع ہیں جن میں سے ۲۴ اراکین ہوں گے جو کل تعداد کا ۹ فیصدی ہے۔

۴- وہ علاقہ جہاں ہندو چھائے ہوئے ہیں اس میں ۹ اضلاع ہیں جن میں سے ۶۸ اراکین ہونگے یعنی کل تعداد کے ۲۵ فیصدی۔

غرض بنگال میں صرف ان علاقوں میں سے جہاں مسلمان چھائے ہوئے ہیں ۶۰ فی صدی نشستیں یقینی ہیں۔ اگر اس علاقہ کو شمار نہ بھی کیا جائے جہاں مسلمان غالب تعداد میں ہیں اور ہندو اقلیت اگرچہ وہ بہت قوی اقلیت ہے لیکن عام اور کھلے ہوئے انتخاب میں اگر اس کے لئے تحفظ نشست نہ ہو تو اس کے نقصان میں رہنے کا بہت زیادہ امکان ہے۔

صوبہ بنگال میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخابات | حال ہی میں صوبہ بنگال کے گذشتہ انتخابات ڈسٹرکٹ بورڈ کی

اعداد وشمار سے جو ضمیمہ (ج) میں درج کئے گئے ہیں یقینی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے۔ ان مجالس کے لئے
حلقہ ہائے انتخاب مخلوط ہیں لیکن رائے دہندگان کی فہرست میں جو کچھ جائداد اور کچھ ٹیکس ادا کرنیوالوں
کو حق رائے دینے کے اصول پر مبنی ہے۔ دونوں جماعتوں کی آبادی کا تناسب قائم نہیں رہا ہے۔ ہمارا
خیال ہے کہ مسلمان جو معاشی حیثیت سے ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں انکی رائے دہندگی کی
قوت بھی اس وقت اس سے نسبتاً بہت کم ہے جتنی ہر بالغ کو حق رائے دینے کے بعد ہو جائیگی لیکن پھر
بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تین اضلاع یعنی میمن سنگھ، چٹاگانگ اور جیسور میں انہوں نے ہندوؤں کو بالکل
خارج کر دیا ہے ان میں سے اول الذکر دو میں تو ایک ہندو بھی منتخب نہیں ہو سکا حالانکہ ہندوؤں
کی آبادی ۲۴ فیصدی ہے اور تیسرے ضلع میں صرف ایک ہندو کسی طرح منتخب ہو گیا حالانکہ ہندوؤں
کی آبادی ۳۸٫۲ فیصدی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان جہاں صرف تین اور چار
فیصدی کی حقیر اقلیت میں ہیں وہاں سے بھی وہ ایک سے لیکر تین نمائندوں تک دسٹرکٹ بورڈوں میں
بھیجنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی بھی دلچسپ مثالیں موجود ہیں کہ جہاں دونوں جماعتوں
کی قوت مساوی ہوتی ہے وہاں کیا پیش آتا ہے۔ اس سلسلہ میں کھلنا اور دیناج پور ہمارے پیش نظر
ہیں۔ اول الذکر میں غیر مسلموں نے جن کی آبادی ۵۰ فیصدی ہے۔ ۱۱ نشستیں حاصل کیں اور مسلمانوں
نے جن کی تعداد ۴۹٫۰۸ فیصدی ہے کل پانچ نشستیں۔ اور آخر الذکر میں اگرچہ مسلمانوں کی آبادی
۴۹ فیصدی ہے لیکن انہوں نے ۱۴ نشستیں حاصل کیں برخلاف اس کے ہندوؤں کو کل چار نشستیں
ملیں حالانکہ وہ بھی ۴۴ فیصدی سے زیادہ ہیں اس میں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے رائے دہندوں
کی تعداد کے متعلق صحیح اعداد وشمار کی غیر موجودگی میں محض انکی آبادی کے اعداد وشمار اس مسئلہ میں ہماری
رہنمائی نہیں کر سکتے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکالا جا سکتا ہے کہ بنگال کے مسلمانوں کو
تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں بھی کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسور کا واقعہ خصوصیت کے ساتھ
دلچسپ ہے جس وقت تک کہ مسلم اکثریت نے ضلع کے مقامی معاملات میں دلچسپی نہیں لی اس وقت تک
ہندو اقلیت جیسا چاہتی تھی کرتی تھی لیکن جب ایک مرتبہ وہ چونکے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے رایوں کی

بھرمار کردی بلکہ اپنی ڈسٹرکٹ بورڈ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مسلمان صدر اور مسلمان نائب صدر منتخب کرادیا جو دونوں بنگال کونسل کے رکن ہیں ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بنگال میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے گذشتہ انتخابات نے دونوں فرقوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور مسلمانوں کی عام رائے مخلوط انتخاب کے حق میں ہوتی جا رہی ہے۔ فرقہ وارانہ مخالفت کا یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے کہ لوگ حقائق کی طرف سے چشم پوشی کرتے ہیں اور خود اپنے مفاد کے خلاف لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ہم ان لوگوں سے جو بنگال اور پنجاب کے لئے فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کی حمایت میں ملک کے اندر بڑی بڑی یادداشتوں اور اعلانات کی بھرمار کر رہے ہیں یہ درخواست کریں گے کہ وہ اُن اعداد و شمار کا بغور مطالعہ فرمائیں جو ہم نے ضمیمہ جات (الف۔ب۔ج) میں پیش کئے ہیں۔

اقتصادی اور تعلیمی معیار غرض کہ صحیح اعداد و شمار کے تجزیہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کا ڈر محض خیالی ہے۔ یہ ڈر ہندوؤں اور سکھوں کے اعلیٰ اقتصادی اور علمی معیار کی وجہ سے ہے لیکن ہم نے دیکھ لیا کہ اس افضلیت نے بنگال کے اندر ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب میں ہندوؤں کی کوئی مدد نہیں کی اور ہمیں یقین ہے کہ کونسل کے انتخابات کے نتائج اس سے زیادہ بین طور پر مسلمانوں کے حق میں ہونگے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں مسلمان تعلیم اور دولت دونوں کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں اور بالخصوص بنگال میں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آج کل حکومت میں دولت کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن دولت کی قوت اس قدر زیادہ ہے کہ وہ شاذ و نادر مجلس قانون ساز کے انتخاب میں حصہ لینے کی زحمت گوارا کرتی ہے اس لئے کہ یہ تو پردے کے پیچھے سے بھی ڈوری کھینچ سکتی ہے نشستوں کا تحفظ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب یا اسی قسم کی کوئی دوسری تدبیر اس کے اثر کو کم نہیں کر سکتی۔ جب تک لوگ فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے سوچیں گے اور عمل کریں گے اس وقت تک وہ اصل مسئلہ پر غور نہیں کر سکتے اور جب وہ اس پر غور ہی نہ کریں گے تو آخر اس کو حل کس طرح کر سکتے ہیں۔

اس موقع پر ہم سے یہ توقع نہیں کیجاتی کہ ہم سوسائٹی کے لئے ایک ایسے جدید نظام کا مشورہ دیں

جس میں معاشی اقتدار چند اشخاص میں مرکوز نہ ہو۔ اور ہمیں یہ بھی یقین ہو کہ وہ فرقہ وارانہ مجلسیں جو اس شد و مد کے ساتھ اپنی اپنی جماعتوں کے لئے حقوق اور مراعات کا مطالبہ کر رہی ہیں وہ بھی موجودہ اجتماعی نظام کے اساس کو بدلنا نہیں چاہتیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہو کہ خصوصیت کے ساتھ تمام پست جماعتوں اور گروہوں کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے حفاظتی تدابیر کی سفارش کریں۔

آزاد ہند کی جماعت بندیاں | ہمیں پورا یقین ہے کہ جس وقت ہندوستان آزاد ہو جائیگا اور اجنبی حکومت کی مخالفت اور رخنہ اندازیوں کے بغیر اپنے معاملات پر غور کرنے لگے گا تو لوگوں کی توجہ وقت کے اہم مسائل کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ جو مسائل آئندہ ہماری قانون ساز مجالس میں پیش ہوں گے ان میں سے کتنے فرقہ وارانہ قسم کے ہو سکتے ہیں؟ ممکن ہو کہ کبھی کبھی ایک یا دو مسائل ایسے آجائیں لیکن بلاشبہ اکثر مسائل جو ہمارے سامنے پیش ہوں گے ان میں تنگ نظر فرقہ پروری کی گنجایش نہ ہوگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے اندر اور مجالس میں بھی جماعتیں بالکل دوسری بنیادوں پر قائم کیجائینگی اور ہمارا خیال ہے کہ یہ بنیاد زیادہ تر اقتصادی ہوگی، اس وقت ہم دیکھیں گے کہ ہندو مسلمان سکھ سب ایک جماعت میں متحد ہو کر دوسری جماعت کی مخالفت کرینگے اور یہ جماعت بھی ہندو مسلمان اور سکھوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر ایک دفعہ ہم چل نکلے تو ایسا ہونا بالکل یقینی ہے۔

ہندو اور سکھ اقلیتیں | اگر اس مسئلہ کو محض ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ ممکن ہو کہ حقیقتہً ہندوؤں کے لئے اور شاید سکھوں کے لئے بھی اس سے زیادہ مفید ہو جتنا کہ عدم تحفظ نشست جو واقعات و اعداد و شمار ہم نے بیان کئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ بنگال اور پنجاب میں مسلمان اتنے زیادہ قوی ہیں کہ بلا تحفظ نشست مخلوط انتخاب میں اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے کا انکے لئے ہر طرح امکان ہو۔ ایسی صورت میں ممکن ہو کہ ہندو اور سکھ اقلیتیں اپنی آبادی کے تناسب سے کم نمائندگی حاصل کر سکیں۔ اسکا امکان ہو اور اغلب ہے کہ یہ صورت پیش آجائے لیکن اس قسم کے اتفاقات کا تدارک

کرنا ممکن نہیں سب سے زیادہ محفوظ اور کھلا ہوا طریقہ یہی ہے کہ ان تحفظات کے بعد جو ممکن ہیں انتخاب بالکل آزادانہ ہو۔

نجی جلسے | مندرجہ بالا تمام خیالات پر نجی جلسوں میں اچھی طرح غور و بحث کے بعد جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے حسب ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ صرف ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ نے اس قرارداد کے دوسرے جزو کے متعلق ایک نوٹ تحریر کیا ہے[1]۔

"ہم لوگ متفقہ طور پر مجالس قانون ساز میں اکثریت اور اقلیت دونوں کے تحفظ نشست کے خلاف ہیں اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ دستور اساسی میں کسی قسم کا تحفظ نشست نہ رکھا جائے۔ لیکن اگر یہ سفارش منظور نہ کی جائے اور سمجھوتہ صرف آبادی کے لحاظ سے نشستوں کے تحفظ پر ہی ہو سکتا ہو تو ہم سفارش کرتے ہیں کہ اس قسم کا تحفظ اکثریت یا اقلیت کے لئے بلا کسی بائنگ کے اس صاف و صریح شرط کے ساتھ کر دیا جائے کہ یہ تحفظ خود بخود دس سال کے بعد یا فریقین کی رضامندی سے اس سے پہلے ہی ختم ہو جائیگا۔"

سردار منگل سنگھ کا نوٹ حسب ذیل ہے:-

"میں اس قرارداد کے پہلے حصہ سے متفق ہوں کہ ملک کی مجالس قانون ساز میں اقلیت یا اکثریت کسی کے لئے نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہوگا۔ لیکن میں سختی کے ساتھ اس کا مخالف ہوں کہ کسی حالت میں بھی اور خواہ تھوڑی سے تھوڑی مدت کے لئے کیوں نہ ہو آبادی کی بنیاد پر نشستوں کا تحفظ کر کے بر خلاف آئین فرقہ وارانہ اکثریتیں بنائی جائیں لیکن اگر نشستوں کے تحفظ ہی سے سمجھوتہ ممکن ہے تو پھر میں سفارش کروں گا کہ سکھوں کا بھی ایک اہم اور وقیع اقلیت کی حیثیت سے خیال کیا جائے اور ان کو کافی اور آبادی کے تناسب سے زیادہ حق نمائندگی پنجاب میں دیا جائے۔ اسی اصول پر جس پر کہ معاہدہ لکھنؤ کے مطابق مسلم اقلیتوں کو بہار اور دیگر صوبوں میں حقوق دئے گئے تھے نیز میں اس کی بھی سفارش کروں گا کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں بھی سکھوں کو نمائندگی میں خاص "ویٹج" عطا کیا جائے۔"

---

(۱) جن لوگوں نے اس پر دستخط کئے ہیں ان کی ایک فہرست رپورٹ کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس قرارداد کے پہلے حصہ میں نجی جلسوں کی اصل سفارش ہے اور دوسرا حصہ اس صورت سے متعلق ہے جو اس وقت پیش آسکتی ہے جب یہ تمام جماعتیں اس سفارش کو نامنظور کردیں اور صرف تحفظ نشست باعتبار آبادی ہی پر سمجھوتہ ہوسکے۔ اس کمیٹی کے اراکین کے درمیان نہ صرف یہ کہ اس قسم کا سمجھوتہ نہیں ہوا بلکہ صاف طور پر اس قرارداد کے پہلے حصہ میں متفقہ طور پر انہوں نے تحفظ نشست کی مخالفت کی ہے۔ اسکا بہت کم امکان ہے کہ قرارداد کے دوسرے حصہ میں جس سمجھوتہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ آل پارٹیز کانفرنس میں قبول کرلیا جائیگا لیکن اگر کسی طرح اتفاق سے یہ سمجھوتہ ہوگیا تو اس کی پابندی ان سب لوگوں پر ضروری ہوگی جو اس میں شریک ہوں گے اور اس صورت میں قرارداد کے دوسرے حصہ کی جو کچھ بھی شرط ہے وہ یہ ہے کہ یہ دس سال سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھا جائے گا ہم سے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ جس چیز کی ہم نے صریحاً مخالفت کی ہے اسی کے لئے سفارش کریں لیکن ہم مختلف جماعتوں اور فرقوں کے درمیان سمجھوتہ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں خواہ اصولی حیثیت سے وہ کسی قدر غلط کیوں نہ ہو اور اگر اس قسم کا سمجھوتہ باوجود ہماری کوششوں کے سب لوگ کریں تو ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے کہ اس کی مدت عمل کو محدود کردیں۔ بالکل یہی ہم نے کیا ہے۔ اب جہاں تک مسلمانوں اور سکھوں کی اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ انکی آبادی سے زیادہ انکو نمائندگی دیجائے یہ کہنا کافی ہوگا کہ ان خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ہم نے سطور بالا میں ظاہر کئے ہیں اس قسم کا کوئی مطالبہ کسی فرقہ کی طرف سے بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا خواہ وہ فرقہ اپنے آپ کو کسی قدر اہم کیوں نہ سمجھتا ہو۔

اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ہمیں نجی جلسوں کی قرارداد کیطرف رجوع کرنا پڑے گا اور اب یہی ہم کرنا چاہتے ہیں۔

اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست

بنگال اور پنجاب کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان بہت زیادہ اقلیت میں ہیں اور بعض صوبوں میں تو وہ بہت ہی کم ہیں حالانکہ ہندوستان کی کل آبادی میں انکا تناسب ۲۴ فیصدی سے زیادہ ہے۔

مسلمان اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست باعتبار تناسب آبادی

جب نجی جلسوں کی وہ قرارداد جسکا حوالہ دیا جاچکا ہے منظور ہوگئی تو ہم کو

کہا گیا کہ مسلمانوں کے حق میں یہ بڑی زیادتی ہوئی اس لئے کہ غالباً مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے جو ۵۰۰ اراکین پر مشتمل ہوگی وہ کل ۳۰ یا ۴۰ مسلمانوں سے زیادہ پنجاب اور بنگال سے منتخب نہ کر سکیں گے اور شاید ایک یا دو ممالک متحدہ اور بہار سے اور دوسرے صوبوں میں جہاں انکی آبادی ۲۰ فیصدی سے کم ہے کوئی بھی مسلمان منتخب نہ ہو سکے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو جو برطانوی ہند کی کل آبادی کا چوتھائی حصہ ہیں مرکزی مجلس قانون ساز میں ۱/۸ سے زیادہ نمائندگی نہیں ملیگی یہی اعتراض ان صوبوں کی مقامی مجالس پر بھی عائد ہوتا ہے جہاں مسلمان بہت کمزور اقلیت میں ہیں۔ ہم اس اعتراض کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہاں حالات نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ملکی انتخابات کے نظام میں فرقہ وارانہ عنصر کو عارضی طور پر داخل کر دیں۔ اسی لئے ہم ۲۸ جولائی کے نجی جلسہ کی قرارداد کو کلیۃً اپنی سفارش کی طور پر اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان خواہش کریں تو بنگال اور پنجاب کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کے لئے بطور استثناء کے مرکزی اور صوبجاتی مجالس قانون ساز میں تحفظ نشست باعتبار آبادی کی اجازت ہمیں دینی پڑے گی۔ کچھ عرصہ کے لیے اس حد تک فرقہ وارانہ نیابت باقی رکھنا ہماری رائے میں ایک ناگزیر خرابی ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ رعایت کرنے سے ہم وہ اجتماع ضدین نہیں کر رہے ہیں جو اکثریتوں کے تحفظ نشست کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ اقلیت تو ہر حال میں اقلیت ہی رہے گی خواہ نشستیں اس کے لئے محفوظ ہوں یا نہوں اور وہ کبھی اکثریت پر غالب نہیں آسکتی۔

پاسنگ کی اجازت نہیں ہونا چاہئے | آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی جو بہت سے صوبوں میں معاہدہ لکھنؤ اور مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کی رو سے مسلمانوں کو دی گئی تھی وہ ہماری اسکیم کے تحت ختم ہو جائے گی اس طرح کی نمائندگی صرف جداگانہ حلقہائے انتخاب میں ممکن ہے اور مشترکہ یا مخلوط انتخاب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے گو یہ ناممکن نہیں کہ مسلمان اقلیتوں کیلئے انکی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں محفوظ کر دی جائیں لیکن علاوہ اس صریح ناانصافی کے جو اس طریقہ سے نہ صرف اکثریتوں کے ساتھ ہوگی بلکہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ بھی ہوگی۔ ہمارے نزدیک قومی نقطہ نظر سے خود مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہ مضر ثابت

ہوگا۔ ہم نے انکا پورا حق آبادی کے تناسب سے محفوظ کر دیا ہے اور اس سے زیادہ اگر وہ چاہتے ہیں تو انہیں
اپنی سعی و کوشش سے حاصل کرنا چاہئے اسی لئے محفوظ نشستوں سے زائد نشستوں کے مقابلہ کے
لئے انکے حقوق پر ہم نے کسی قسم کے قیود نہیں عائد کئے ہیں اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست کو قبول کرنے
پر جس چیز نے ہمیں آمادہ کیا وہ یہی ہے کہ اس صورت میں ہم انکے لئے کوئی چار دیواری نہیں قائم کر رہے
ہیں کہ اس کے باہر وہ کسی طرح ترقی کا قدم نہ نکال سکیں خواہ وہ کتنی ہی اہلیت کیوں نہ رکھتے ہوں ہمارے
نزدیک یہ زیادہ اہم ہے کہ تمام چھوٹے بڑے فرقوں کی سیاسی تگ و دو کو بڑھانے کے لئے ایک کھلا ہوا میدان
ہو جس میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو، بہ نسبت اس کے کہ انکی تعداد کے تناسب سے زیادہ نشستیں
انکے لئے محفوظ کر دیجائیں۔ اس قسم کا تحفظ ان کو کبھی سوائے اپنی جماعت کے کسی دوسرے فرقہ کے مقابلہ
کے لئے کھلے میدان میں نہیں آنے دیگا۔ اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں جمود پیدا ہو جائیگا۔ یہ صحیح
ہے کہ ایک مسلمان امیدوار اپنے مقابل دوسرے مسلمان کو شکست دینے کے لئے غیر مسلموں کی رائے
حاصل کرنیکی کوشش کرے گا لیکن اس طریقے سے مسلمان قومی راہ پر ترقی نہیں کر سکیں گے
ہمیشہ یہی سوال پیش نظر رہیگا کہ مسلمان الف مسلمان ب سے بہتر ہے کہ نہیں بغیر اس خیال کے کہ
غیر مسلم ج ان دونوں سے بہتر ہے یا بدتر۔

مسلمان معقولیت کیساتھ اپنی ٹھیک ٹھیک آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ
کسی طرح نہیں کر سکتے درآنحالیکہ مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کا انکو حق ہو اور اس وقت انکے لئے
جو مسئلہ قابل غور ہے وہ یہی کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت انکے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔
ہمیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب مسلمانوں کے سامنے ایک طرف یہ صورت ہوگی کہ انکی آبادی کے
تناسب سے زیادہ انکے لئے نشستیں محفوظ کر دیجائیں اور انہیں باقی نشستوں کے لئے مقابلہ کرنیکا حق نہ ملے اور دوسری
طرف یہ صورت ہوگی کہ تحفظ نشست باعتبار تناسب ہو اور زیادہ نشستوں کے لئے مقابلہ کرنے کا
حق حاصل ہو اور مسلمان ان دونوں صورتوں پر ہر پہلو سے غور کریں گے تو انہیں یہ معلوم ہوگا کہ دوسری
صورت ہی انکے لئے زیادہ بہتر اور مفید ہے جیسا ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں نشستوں کے پورے پورے

تحفظ سے مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کا یہ فائدہ کہ وہ قومی اتحاد کو بڑھاتے ہیں بڑی حد تک مفقود ہو جاتا ہے
ایک مسلم امیدوار کو اپنے مخالف مسلم امیدوار کو شکست دینے کے لئے غیر مسلم رائے دہندوں کے پاس جانیکی
چاہے کتنی ہی ترغیب اس صورت میں کیوں نہ ہو لیکن جہانتک اسکی جماعت کا مجموعی حیثیت سے
تعلق ہے بغیر غیر مسلم رائے دہندوں کی رائے کے اس کی نشستوں کا حصہ محفوظ رہے گا اور انتہائی
ہندو مسلم کشیدگی کے زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے کوئی وقت نہ ہوگی کہ بلا ایک دوسرے
کی مدد کے انتخابات کو کامیاب بنالیں اور دونوں میں سے کوئی جماعت ایک نشست بھی نہ کھوئے۔
دونوں فرقوں کے اختلافات اسی طرح کم ہو سکتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے دست نگر ہوں۔

صوبہ متحدہ کے مسلمان

صوبہ متحدہ میں جہاں مسلمان اقلیت تعداد کے لحاظ سے اور صوبوں سے قوی ہے۔ یہاں کے اصل حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیں کامل یقین ہے کہ ہماری اسکیم کے ماتحت ان کو اس سے زیادہ نشستیں ملیں گی جتنی کہ موجودہ نظام کے ماتحت مقرر ہیں۔ ممالک متحدہ کے بہت سے شہری علاقوں میں انکی اکثریت ہے اور دوسرے مقامات پر انکی اقلیت بہت قوی اور با اثر ہے دوسرے صوبوں میں ممکن ہے کہ وہ کچھ نشستیں کھو بیٹھیں لیکن ملک کے عام انتخاب کا نتیجہ بحیثیت مجموعی سب کے لئے قابل اطمینان ہوگا۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لئے تحفظ نشست

جہانتک مسلمانوں کے مطالبات کا تعلق ہے اب ہمارے سامنے انکے مطالبات کا صرف وہ حصہ باقی رہ گیا ہے جس میں مرکزی مجلس قانون ساز میں اپنے لئے کل نشستوں کا ایک ثلث محفوظ کرانا چاہتے ہیں۔ نجی جلسوں میں نہ یہ سوال براہ راست اٹھایا گیا نہ اس پر بحث کی گئی لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جو سفارشات ہم نے تحفظ نشست کے متعلق کی ہیں ان سے اس کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جو اصول ہم نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلم اقلیتوں کے لئے اس قسم کا تحفظ کرنا پڑے وہاں یہ ٹھیک ٹھیک اسکی آبادی کے تناسب سے ہونا چاہئے مسلمان برطانوی ہند کی کل آبادی کے ایک چوتھائی سے کچھ کم ہیں اور مرکزی مجلس قانون ساز میں انکو اس تناسب سے زیادہ تحفظ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پنجاب اور بنگال کے علاوہ دوسرے صوبوں میں صوبجاتی اور نیز مرکزی مجلس قانون ساز

میں انکو مزید نشستوں کے مقابلہ کا حق ہے اور ان دو صوبوں میں تو نشستوں کے مقابلہ کے لئے ان پر
کسی قسم کی پابندی عائد ہی نہیں کی گئی ہے صوبجاتی مجالس میں ہم نے یہ حق اس پاسنگ کے بدلہ میں
دیا ہے جو اس وقت ان کو حاصل ہے۔ مرکزی مجلس میں ان کو اس وقت بھی کوئی پاسنگ
نہیں حاصل ہے اور مختلف صوبوں کی طرف سے جو نمائندے انکے منتخب ہوتے ہیں انکی تعداد کا تعین
کسی اصول پر مبنی نہیں مسلمان اراکین کی موجودہ تعداد مرکزی مجلس کی کل تعداد کی ایک تہائی سے
کم ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں بھی انکے اس مطالبہ کے لئے کوئی وجہ اور بنیاد نہیں ہے اور ذرا
غور کرنے سے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مقابلہ میں آزادی ہو بہ نسبت اس کے کہ ایک
تہائی اور ایک چوتھائی کے خفیف سے فرق کا انہیں پابند کر دیا جائے لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ ہم کسی
طرح اس اصول سے نہیں ہٹ سکتے جو مسلم اقلیتوں کے لیے صوبجاتی مجالس میں ہم نے قبول کر لیا ہے
اصولی سوال کے علاوہ بہت سی عملی مشکلات بھی اس راستہ میں ہیں، دقت یہ ہوگی کہ ہم کس طرح مرکزی
مجلس میں ایک تہائی نشستوں کا تحفظ کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ پنجاب اور بنگال کے اراکین کی تعداد
مقرر کر کے اسکا انہیں پابند کر دیں اور اسی کے ساتھ دوسرے صوبوں میں کسی نہ کسی قسم کا پاسنگ بھی
رکھیں اور پھر کس اصول پر زائد اراکین کی تعداد کو تمام صوبوں پر تقسیم کیا جائے۔ ہم نے اس مسئلہ پر بہت
غور کیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم کسی طرح مرکزی مجلس میں مسلمانوں کے لئے کل تعداد کی ۱/۳ نشستوں
کے تحفظ کی سفارش نہیں کر سکتے۔

سفارش | انہیں وجوہ سے ہم نے یہ سفارش کی ہے کہ اگر مسلمان مطالبہ کریں تو صوبجاتی اور مرکزی مجالس
میں انکے لئے ٹھیک آبادی کے تناسب سے نشستیں صرف دس سال کے لئے محفوظ کر دیجائیں اور
اس سے زیادہ نشستوں کے حاصل کرنے کا انہیں حق دیدیا جائے۔ اس جگہ ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے
ہیں کہ ہمارے رفیق مسٹر شعیب قریشی ہمارے بعض دلائل اور نتائج سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی
رائے ہے کہ نجی جلسہ کی قرارداد کو کلیتہً اختیار کر لینا چاہئے اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مرکزی مجلس میں
مسلمانوں کے لئے ۱/۳ نشستیں محفوظ کر دیجائیں۔

بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی غیر مسلم اقلیتیں

جہاں تک غیر مسلم اقلیتوں کا تعلق ہے جو صوبے خاص طور پر توجہ کے مستحق ہیں وہ بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ ہیں جہاں غیر مسلموں کی وہی حیثیت ہے جو مسلمانوں کی صوبہ مدراس اور ممالک متوسط میں ہے اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ انکے ساتھ وہی رعایت کیجائے جو علاوہ پنجاب اور بنگال کے دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی ہے۔

دوسری غیر مسلم اقلیتیں

دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی طرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے اور ان اکثریتوں کے درمیان جن کے ساتھ وہ رہتی ہیں ایسی کوئی خلیج نہیں ہے جیسی کہ بدقسمتی سے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ انکے لئے تحفظ نشست کے ذریعہ سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی کوئی ضرورت ہے اور نہ اس میں انکا کوئی فائدہ ہے۔ انکو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم مخصوص حالات کے باعث مسلم اقلیتوں کے لئے اس قسم کے تحفظ کی سفارش کر رہے ہیں اور وہ بھی ایک مقررہ مدت کے لئے۔ انکو تو جلد یا بدیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہی پڑیگا اس لئے ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر وہ ابتدا ہی سے تحفظ کو ترک کر دینے کا تہیہ کر لیں۔

غیر مسلم اقلیتوں اور مسلم اقلیتوں کی کوئی برابری نہیں ہے اگر ہندوستان کی کل آبادی پر نظر ڈالی جائے تو اول الذکر کسی شمار میں نہیں آتے ہیں۔ بدھ مذہب والوں کو چھوڑ کر جو زیادہ تر برہما میں ہیں اور وہاں انکی اکثریت ہے کل ہندوستان میں دیگر غیر مسلم اقلیتوں کی آبادی فیصدی حسب ذیل ہے:-

عیسائی	۱،۲	فیصدی
سکھ	۱	"
جین	،۲	"
دیگر (علاوہ پہاڑی علاقہ کے قبائلی مذاہب کے)	،۲	"

اس سے معلوم ہوگا کہ جہانتک مرکزی مجلس کا تعلق ہے دیگر غیر مسلم اقلیتوں کے لئے انکی

آبادی کے تناسب سے نشستوں کے تحفظ سے انکو مشکل سے کوئی خاص فائدہ ہوگا اور علاوہ بلوچستان
اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے کسی جگہ صوبجاتی مجالس میں بھی تحفظ نشست کی کوئی صورت ہی
نہیں ہے۔ اس قسم کی کوئی کوشش اگر کی گئی تو اس سے خواہ مخواہ کی الجھن پیدا ہو جائیگی اور جن
جماعتوں کا اس سے تعلق ہے انکو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

ہم نے پنجاب اور بنگال کی ہندو اقلیتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس وجہ سے کہ ۳۲ اور ۴۰
فیصدی آبادی کسی صورت سے بھی چھوٹی اقلیت نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔

سکھ | البتہ غیر مسلم اقلیتوں میں سکھ خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ انکی ساری آبادی پنجاب میں ہے اور اس
صوبہ میں وہ لوگ وہی حیثیت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کی ممالک متحدہ میں ہے۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ صوبہ
متحدہ میں اول الذکر کی تعداد ۱۵ فیصدی ہے جو اس سے زیادہ ہے جتنی کہ سکھوں کی پنجاب میں ہے
جہاں وہ صرف ۱۱ فیصدی ہیں۔ موجودہ دستور میں انکا حلقہ انتخاب جداگانہ ہے اور انکو کافی پاسنگ
حاصل ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سکھوں کی اقلیت ایک نمایاں اور اہم اقلیت ہے جس کو نظر انداز نہیں
کیا جاسکتا ہے اور ہم نے سکھوں کے نقطہ نظر کو جو ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ نے پیش کیا برابر پوری
توجہ سے سنا ہے۔ ان لوگوں کی تعریف میں یہ کہنا ضروری ہے کہ انہوں نے عام قومی مفاد پر فرقہ وارانہ
مفاد کو ترک کرنے کا فیصلہ کر کے ایک قابل ستائش جذبہ ایثار کا ثبوت دیا ہے۔ مجالس قانون ساز
میں نمائندگی کے مسئلہ پر جتنے مباحث اور جھگڑے گذشتہ چند سال میں ہوئے ہیں ان میں یہ لوگ ہمیشہ
اس اصول پر قائم رہے کہ مخلوط حلقہ انتخاب ہو اور کسی جماعت کے لئے تحفظ نشست نہو۔ ہمارے
رفیق سردار منگل سنگھ نے ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ سکھ لوگ صوبہ پنجاب کے کسی
ضلع کی آبادی میں اکثریت میں نہیں ہیں اور یہ کہ سب سے زیادہ آبادی انکی ضلع لدھیانہ میں ہے
جہاں وہ قوی ترین واحد جماعت ہے لیکن اس ضلع میں بھی وہ صرف ۴۱٫۵ فیصدی ہیں اور کسی
طرح انکی کامل اکثریت نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے اضلاع میں یا تو ہندو ان سے زیادہ ہیں یا مسلمان
بلکہ عموماً دونوں کی تعداد علیحدہ علیحدہ ان سے زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ سکھوں کی آبادی جس طرح پنجاب

ہیں تقسیم ہو۔ اس سے انکو وہ تمام نقصانات ہوں گے جو ایک ایسے مشترکہ مخلوط انتخاب میں ہو سکتے ہیں جس کی بنیاد ہر بالغ کو حق رائے دینے پر ہو اور جس کے لئے ہم نے سفارش کی ہے۔ ان حالات میں کم از کم پنجاب میں اگر وہ صوبجاتی اور مرکزی مجالس میں تحفظ نشست کا مطالبہ کرتے تو ان کو اس کا حق اتنا تو ضرور تھا جتنا کہ مسلمانوں کو ممالک متحدہ میں ہے لیکن یہاں ایک تیسرے قومی عنصر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے یعنی مسلم اکثریت اور سکھ اقلیت کے دوش بدوش ایک قوی ہندو اقلیت کا وجود۔ دوسرے عام اسباب کے علاوہ پنجاب میں یہی ایک ایسی صورت حال ہے جس کی وجہ سے کسی جماعت کے لئے تحفظ کا کوئی اصول مقرر کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ پنجاب کے مسئلہ نے سارے ہندوستان کے لئے ایک اہمیت حاصل کر لی ہے اور اب ہم اس پر صرف اس حیثیت سے غور نہیں کر سکتے کہ وہ انفرادی مسئلہ ہے اور اسکا تعلق محض ایک صوبہ سے ہے۔ تمام پیچیدگیوں کو دور کرنے کا اور قومیت کے جذبات کو نشو و نما کا پورا موقع دینے کے لئے سب سے زیادہ کارگر طریقہ یہی ہے کہ پنجاب کی سیاست سے فرقہ پروری کے زہریلے مادہ کو بالکل خارج کر دیا جائے۔ ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ جنہوں نے اس مسئلہ پر ہم سے اچھی طرح اور صفائی کے ساتھ گفتگو کی ہے ہماری دشواریوں کو محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ سکھ لیگ کی یہ کبھی خواہش نہیں ہو گی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل میں براہ راست یا بالواسطہ کسی طرح کوئی پیچیدگیاں ڈالے۔ اگر وہ کوئی خاص رعایتیں حاصل کرنے پر اصرار کرتے تو وہ نیابت کے لئے سب کے واسطے یکساں قاعدہ مقرر کرنے کے مسئلہ میں طرح طرح کی غیر متناہی دشواریاں پیدا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے از خود اپنے تمام مطالبات محض اس غرض سے ترک کر دیے کہ یہ مشکل دور ہو جائے۔ ہم انکے ان جذبات کا اعتراف کرتے ہیں اور انکی اس حب الوطنی پر انکو مبارکباد دیتے ہیں۔

صرف ایک ہی صورت اور ہے | جو تجویز ہم نے پیش کی ہے اس کے علاوہ بس ایک ہی صورت اور ہے اور وہ یہ کہ نہرو جلسہ کی سفارش منظور کر لی جائے اور مسلمانوں یا دیگر اقلیتوں کے لئے کوئی تحفظ نشست نہ کیا جائے لیکن اس سے مسلمانوں کو بہت شکایت ہو گی اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو اس سے کوئی خاص

فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ امر بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کو اس وقت علاوہ تحفظ نشست بذریعہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ہر صوبہ میں کافی پاسنگ بھی حاصل ہے۔ اس پاسنگ کے بدلے میں اب ہم انکو اپنی نشستوں سے زیادہ نشستوں کے مقابلہ کا حق پیش کر رہے ہیں اس لئے جہاں تک انکی جماعت کا تعلق ہے ہم تحفظ نشست کو فوراً ترک نہیں کر سکتے اور اسکی وجہ سے غیر مسلم اقلیتوں کے لئے ہم کو کوئی خاص دشواریاں بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ اگر ہم تمام اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست کی سفارش کریں تو بہت سی دوسری پیچیدگیوں کی پیدا ہو جانیکا اندیشہ ہے اسلئے کہ علاوہ عیسائی پارسی اور یہودیوں جیسی معروف اقلیتوں کے ہندوؤں کی مختلف ذاتوں اور مختلف ورنوں میں سے نئے نئے گروہ نکلنے لگیں گے اور وہ بھی اپنے حقوق طلب کرینگے پھر اس وقت بڑی پریشانیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔

فرقہ وارانہ مسئلہ اصل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور اسی بنیاد پر اس کو حل کرنا چاہئے اور فی الحقیقت یہ اپنے وطن کی کوئی خدمت نہ ہوگی اگر ہم اس مسئلہ کو طے کرنے کی کوشش میں تمام ملک کے اندر فرقہ وارانہ جذبات کی آگ کو اس قدر مشتعل کر دیں کہ اس سے وہ نئی نئی جماعتیں اور فرقے بھی چل اٹھیں جن کو فرقہ پروری کا کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔

غیر برہمن ہندو اکثریت کے دو اہم فرقوں کا مسئلہ باقی رہجاتا ہے۔ ایک غیر برہمنوں کا دوسرے پنچ ذاتوں کا، برہمن اور غیر برہمن کے درمیان شدید تفریق صرف جنوبی ہند میں ہے اور شمال میں اسکا بالکل وجود نہیں۔ جہاں غیر برہمن اس تفریق کے ساتھ ابھرے ہیں وہاں یا تو انکی آبادی اپنی کثرت کی وجہ سے چھائی ہوئی ہے جیسے کہ مدراس میں یا انکی اقلیت بہت قوی ہے جیسا کہ بمبئی کے بعض حصوں میں اور حال کے انتخابات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مجالس قانون ساز میں نیابت کے لئے انکو کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ برہمنوں کے خلاف انکی شکایت کی اصل وجہ وہ غلبہ ہے جو برہمنوں کو ملک کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں حاصل ہے۔ اور یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ برہمنوں کے اس ذہنی اور دماغی تفوق کا جو اب غیر برہمنوں کی سریع ترقی کی وجہ سے خطرہ میں آگیا ہے۔

پنچ ذات "پنچ" یا "دلیت" ذاتوں کا مسئلہ ابھی حال ہی میں سامنے لایا گیا ہے اور انکی موجودہ

حالت کو ہندوستان کی سیاسی ترقی کے خلاف بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ بیشک ہماری یہ رائے ہے کہ انکی اس پست حالت کی ذمہ داری خصوصیت کیساتھ ہندوؤں پر ہے لیکن ہمیں اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ حکومت برطانیہ کو اس پست طبقہ کے ساتھ جو ہمدردی ہے اس کی وجہ محبت نبی آدم نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ یہ فکر اور ہمدردی بالکل حال ہی میں پیدا ہوئی ہے! جس قدر قومی تحریک کو ملک میں ترقی ہوئی اسی قدر اس "پست" طبقہ کی سیاسی قدر بھی حکومت کی نظروں میں بڑھتی گئی۔ صرف ۱۹۱۱ء سے انکے اعداد و شمار سرکاری تعلیمی رپورٹوں میں علحدہ دیئے جانے لگے ہیں اور ان تعلیمی سہولتوں کا ذکر کیا جانے لگا ہے جو انکو پہنچائی جاتی ہیں حکومت کی ہمدردی اور فکر نے اس وقت تک ان طبقات کو بہت تھوڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مجالس قانون ساز میں انکے لئے چند نشستیں نامزد ہو جاتی ہیں یا انکے خاص مدارس کے لئے خفیف سی رقم علحدہ کر دی جاتی ہے۔

اس سے کہیں زیادہ کارگر اور مفید کوشش غیر سرکاری ہندوستانی انجمنوں نے ان طبقات کی حالت کو درست کرنے کے لئے کی ہیں۔ اور اس عظیم کام میں عیسائی تبلیغی جماعتوں نے بھی امداد کی ہے۔ کانگریس نے ۱۹۲۰ء میں چھوت چھات کے دور کرنے کو اپنے پروگرام میں خاص جگہ دی تھی اور جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے مہاتما گاندھی اپنی عظیم الشان قوت اور ہمت کے ساتھ اس تحریک میں لگ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری جمعیتوں نے۔ نیز ہمیں خوشی ہے کہ فرقہ وارانہ جمعیتوں نے بھی اسی قدر زور اور شدت کے ساتھ چھوت چھات کی مخالفت کا اعلان کر دیا ہے۔ جو عملی کام انجام پا چکا ہے اور جو قابل قدر نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اعلانات محض زبانی جمع خرچ نہ تھے ہم اس کو جانتے ہیں کہ ملک میں اب بھی قدامت پسندوں کا ایسا زبردست عنصر موجود ہے جو اس تحریک کی ترقی میں روڑے اٹکا سکتا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ چھوت چھات کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

دستور اساسی کے لئے جو تجاویز ہم نے کی ہیں ان میں "پست" طبقات کی مخصوص نمائندگی کے لئے کوئی خاص دفعہ نہیں رکھی ہے۔ یہ یا تو نامزدگی کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا یا مخصوص حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے۔ مخصوص حلقہ ہائے انتخاب اور تحفظ نشست کے متعلق کسی دوسری جگہ ہم اپنی رائے

ظاہر کر چکے ہیں۔ اور ہم اس غلط اصول کو جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے رواج دینا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طبقہ کے لئے چند نشستوں کا تحفظ کر کے ہم انکو کوئی خاص فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ہم نامزدگی کے اصول کے خلاف ہیں جیسا کہ اتبک ہوا ہے۔ اسکا صرف ایک نتیجہ ہوتا ہے کہ حکومت ایسے اشخاص کو نامزد کر دیتی ہے جو ہر گرم و سرد میں اس کی تائید کرتے ہیں اور درا صل کسی کے نمائندے نہیں ہوتے۔

بہرحال ہم اس کو محسوس کرتے ہیں کہ پست طبقات کو باقی نہ رہنا چاہیئے یا بالفاظ دیگر اقتصادی اور معاشرتی حیثیت سے انکی حالت اتنی سدھارنی چاہیئے کہ اپنی جماعت میں وہ اپنے لئے مناسب جگہ حاصل کر سکیں۔ ایسا کرنے کے لئے صرف ایک ہی کارگر طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انکو تعلیمی اور دیگر سہولتیں دیجائیں اور انکی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہوں انکو دور کر دیا جائے۔ اعلان حقوق کی بعض دفعات جن کی ہم نے سفارش کی ہے بہت بڑی حد تک ان رکاوٹوں کو دور کر دینگی جن کی وجہ سے یہ پست طبقات نقصان اٹھاتے ہیں اور انکو آگے بڑھنے کے مواقع بہم پہنچائیں گی۔ ہر بالغ کو حق رائے دینے کی جو سفارش ہم نے کی ہے وہ از خود انکی سطح کو بلند کر دے گی اور انکے سیاسی اقتدار کو بڑھاوے گی۔ آخر میں ہم نے بہت زور کے ساتھ اس کی سفارش کی ہے کہ پست طبقوں کی تعلیم کا حکومت کو خاص خیال رکھنا ہوگا۔ اگر ان سب سفارشات پر عمل کیا گیا تو ہمیں یقین ہے کہ پست طبقات بہت جلد غائب ہو جائیں گے اور انکی جگہ ایک ترقی پذیر اور خود دار گروہ پیدا ہو جائیگا۔ جو تمام جماعت کے عام مفاد کے لئے دوسرے گروہوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکے گا۔

باب چہارم

صوبوں کی دوبارہ تقسیم

ہم خوش ہیں کہ کسی طرح ہمیں فرقہ وارانہ مسائل سے چھٹکارا ملا اور اب ہم ان امور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو صحیح طور پر دستور سے متعلق ہیں۔ صوبوں کی دوبارہ تقسیم کے مسئلہ کا جہاں تک دستور سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ چند ایسے اصول مقرر کر دئے جائیں جو تمام صورتوں پر حاوی ہوں لیکن جیسا ہم دیکھ چکے ہیں۔ اگر کسی آسان سے آسان مسئلہ کا بھی غلط طور پر مطالعہ کیا جائے اور بجائے اس کے ذاتی حسن و قبح پر غور کرنے کے اُسے کسی بالکل دوسرے مسئلہ کا جزو بنا دیا جائے تو یہ آسان مسئلہ بھی پیچیدہ اور تقریباً ناقابل حل ہو جاتا ہے۔ ہم اس سے قبل سندھ کی علیحدگی کے فرقہ وارانہ پہلو پر بحث کر چکے ہیں اور دکھا چکے ہیں کہ کس طرح ایک آسان سا معاملہ ہماری سیاست کا ایک عظیم الشان مسئلہ بن گیا ہے۔ اب ہم عام مسئلہ کے حسن و قبح پر اس کے فرقہ وارانہ نتائج سے قطع نظر کر کے بحث کریں گے۔

موجودہ تقسیم نامعقول ہے ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان میں صوبوں کی موجودہ تقسیم کی بنیاد عقل پر نہیں ہے یہ محض اتفاقی واقعات اور ان حالات کا نتیجہ ہے جن کے ماتحت ہندوستان میں برطانوی اقتدار کی توسیع ہوئی ہے۔ بحیثیت مجموعی اسے جغرافی، تاریخی، معاشی یا لسانی اسباب سے بہت کم تعلق ہے۔ محض انتظامی نقطۂ نظر سے بھی یہ تقسیم کامیاب نہیں ثابت ہوئی ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صوبوں کی تقسیم از سرنو ہونی چاہئے۔ ہم میں سے بعض چھوٹے چھوٹے صوبوں کے موافق ہیں اور بعض بڑے صوبوں کے۔ صوبے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے دوبارہ تقسیم کے مسئلہ کو حل کرنا ہے۔

دوبارہ تقسیم کے اصول اب سوال یہ ہے کہ تقسیم نو کن اصولوں کے ماتحت ہونی چاہئے۔ کچھ جغرافی اور کچھ معاشی اور مالی لیکن زیادہ توجہ تو لازمی طور پر باشندوں کی خواہش اور اراضی متعلقہ کی لسانی وحدت

کی طرف کرنی ہوگی۔ یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ تعلیم نیز عام تمدنی زندگی کے دوسرے شعبوں کی ہمہ گیر ترقی کا انحصار زبان پر ہے۔ اگر ذریعہ تعلیم کوئی بدیسی زبان ہو تو کاروبار، معاملات اور ملک کی زندگی لامحالہ ٹھس ہو جائیگی۔ جہاں اغراض کے لیے بدیسی زبان استعمال کیجاتی ہے وہاں جمہوریت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ جمہوریت کو واقف کار ہونا چاہیئے اور اس میں امور عامہ کے سمجھنے اور ان پر غور کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے تاکہ وہ ان پر اپنا اثر ڈال سکے۔ یہ بات تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ جہاں بدیسی زبان استعمال کیجائے وہاں جمہوریت یہ فرائض ادا کرسکتی ہے، اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ ملکی کاروبار اور ریاست میں وہی زبان رائج ہو جسے عوام الناس اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ جہاں تک صوبوں کا تعلق ہے یہ صوبے ہی کی زبان ہونی چاہیئے۔

زبان | اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم انگریزی کے استعمال کے مخالف ہیں۔ موجودہ حالات کا اقتضا تو یہ ہے کہ آجکل کی طرح آئندہ بھی ایک مدت تک انگریزی ہی مرکزی مجالس قانون ساز میں بحث و مباحثہ کا مناسب ذریعہ ہوگی۔ ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ ایک بدیسی زبان کی ہمیں اس لئے بھی ضرورت پڑے گی کہ ہم دوسرے ممالک کے خیالات انکے علوم اور انکی زندگی سے گہرا تعلق قائم کرسکیں اور غالب امکان ہے کہ یہ زبان انگریزی ہی ہوگی۔ باینہمہ بہت زوروں کے ساتھ ہماری یہ رائے ہے کہ، ہندوستانی، کو جو اس وقت بھی آدھے ہندوستان کی زبان ہے سارے ملک کی زبان بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے یہ سب مان لینے کے بعد بھی صوبوں کی زبانوں کی ہمت افزائی بھی نہایت ضروری ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ کوئی صوبہ جلد ترقی کرے تو ہمیں یہ کرنا پڑے گا کہ اس کا تمام کام اسی کی زبان میں ہونے دیں۔

اگر کسی صوبہ میں تعلیم کا رائج ہونا ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ اسکا روزانہ کا کام خود اسی کی زبان میں ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اس کے حدود بھی لسانی ہوں۔ اگر کہیں وہ ایسا صوبہ ہو جس میں متعدد زبانیں بولی جاتی ہیں تو دشواریوں کا تانتا بندھ جائیگا اور تعلیم یا کاروبار کا ذریعہ دو یا اس سے بھی زیادہ زبانیں ہو جائیں گی۔ ان وجوہ سے یہ لازم آتا ہے کہ لسانی بنیاد

پر صوبوں کو از سر نو ترتیب دیا جائے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ زبان ایک خاص قسم کے تمدن، روایات اور ادب کی حامل ہوتی ہے۔ ایک لسانی آراضی میں یہ تمام عناصر صوبے کی عام ترقی میں ممد و معاون ہونگے۔

نیشنل کانگریس نے اس لسانی اصول کو آٹھ برس پہلے ہی تسلیم کر لیا تھا اور جہانتک کانگرسی نظام کا تعلق ہے اسی وقت سے ہندوستان لسانی صوبوں میں منقسم ہے۔

باشندوں کی خواہشات | دوسرا اصول جس کے ماتحت صوبوں کی دوبارہ تقسیم ہونی چاہئے باشندوں کی خواہش ہے۔ ہم لوگ جو وسیع تر معاملات میں خود مختاری کا مطالبہ کرتے ہیں کسی طرح بھی معقولیت کے ساتھ ایک محدود حلقے کے مطالبہ خود مختاری کو رد نہیں کر سکتے بشرطیکہ۔ بلاشبہ۔ یہ کسی اہم اصول کے خلاف نہ پڑتا ہو۔ محض یہی حقیقت کہ ایک مخصوص حلقے کے باشندے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک ہیں اور ایک رہکر اپنے تمدن کو ترقی دینا چاہتے ہیں، توجہ کرنیکے لئے کافی ہے خواہ انکے مطالبہ کی موافقت میں کافی تاریخی اور تمدنی شواہد ہوں یا نہ ہوں۔ ایسے معاملات میں جذبات، واقعات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

اب ہم نے معلوم کر لیا کہ صوبوں کی دوبارہ ترتیب کے لئے دو اہم ترین وجو لسانی اصول اور اکثر باشندوں کی خواہش ہے ایک تیسرا غور طلب مسئلہ اگرچہ وہ اتنا اہم نہیں ہے، انتظامی سہولت کا ہے۔ جس میں آراضی متعلقہ کی جغرافی حیثیت، معاشی ذرائع اور مالی استحکام بھی داخل ہے لیکن انتظامی سہولت تو زیادہ تر ترتیب کا دوسرا نام ہے اور عام طور پر اسے باشندوں کی خواہش کا پابند ہونا چاہئے۔

لسانی آراضیاں | ہندوستان کے موجودہ نقشے کو دیکھنے سے ہمیں ممتاز لسانی آراضیاں نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ وسیع ہندوستانی خطہ ہے جو تمام شمالی ہند پر حاوی ہے اور جس میں ایک خفیف سا اختلاف پنجاب میں پنجابی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اس کے بعد بنگالی خطہ پھر آسامی پھر اڑیا، تلنگی، تامل، ملیالم، کنڑی، مرہٹی، گجراتی اور سندھی اور خلیج بنگال کے پار برمی خطہ ہے وقتاً فوقتاً آندھرا (یعنی تلگو خطے) اتکل (یعنی اڑیا خطے) کرناٹک (یعنی کنڑی خطے) کیرالا (یعنی ملیالم خطے) سندھ

(یعنی سندھی خطے) اور صوبہ متوسط کے ہندوستانی بولنے والے علاقے اور انکے علاوہ دوسرے علاقوں کو بھی علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر جب تقسیم نو شروع ہوگی تو ان سب کے حالات کی تفتیش اور ان پر احتیاط کے ساتھ غور کرنا پڑے گا۔ ان میں سے اکثر کے متعلق رائے دینے کے لئے ہمارے پاس کافی مسالہ موجود نہیں کرناٹک اور سندھ کے علاوہ کسی نے اپنا معاملہ ہمارے سامنے پیش بھی نہیں

اتکل | کیا ہے۔ ہمارے پاس ایک کتاب بھی آئی ہے جس میں اتکل کے حالات درج ہیں مگر کسی مخصوص درخواست یا عرضداشت کی غیر موجودگی میں ہم اس پر غور کرنے سے مجبور ہیں۔ ہمارے رفیق مسٹر سبھاس چندر بوس البتہ چاہتے ہیں کہ اگر مالی حیثیت سے ممکن ہو تو ان علاقوں کو جن میں اڑیا بولی جاتی ہے ملا کر ایک صوبہ بنا دینا چاہئے انکی یہ بھی رائے ہے کہ آسام اور بہار و اڑیسہ کے بنگالی بولنے والے علاقوں کے بنگال میں ملائے جانیکا مطالبہ بھی حق بجانب ہے۔

کرالا | کرالا کے متعلق ہمارے پاس وہاں کے صوبے کی کانفرنس کی ایک قرارداد پہنچی ہے جس میں اس کے اتحاد اور علیحدگی پر زور دیا گیا ہے بظاہر تو کرالا کے مسئلہ میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہے اس لئے کہ اسکا اکثر حصہ ٹراونکور اور کوچین کی ریاستوں میں داخل ہے۔ ان ریاستوں کو چھوڑنے کے بعد جیسا کہ موجودہ حالات میں ہمیں کرنا پڑے گا۔ بہت چھوٹا سا حصہ بچ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جبتک کہ پورا مسالہ نہ موجود ہو ہم ابھی کرالا کے متعلق کوئی سفارش نہیں کرسکتے۔

کرناٹک | کرناٹک کا مسئلہ ہمارے سامنے کرناٹک ملاپ سنگھ اور صوبے کی کانگرس کمیٹی کے ایک نمائندے نے پیش کیا اور بہت اچھی طرح پیش کیا۔ ان کے پاس تاریخی، تمدنی اور اعداد شمار سے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ تھا۔ ہمارے تمام سوالات کے قابل اطمینان جواب ملے اور ہماری رائے میں بظاہر کرناٹک کو متحد کرنے اور علیحدہ صوبہ بنائے جانیکا مطالبہ بہت صحیح اور درست ہے۔

کرناٹک کا کچھ حصہ دیسی ریاستوں میں بھی پڑتا ہے اور خاصکر میسور میں اور اس حصہ کو ملانے میں کھلی ہوئی عملی دشواریاں ہیں۔ یہ بھی غالباً آسان نہ ہوگا کہ کرناٹک کے ان چھوٹے جزیروں کو جو ریاست میسور کی دوسری طرف واقع ہیں ملا لیا جائے اس لئے کہ انکے اور کرناٹک خاص کے درمیان میسور کی

ریاست حائل ہوگی۔ بالنہمہ جو حصہ بچتا ہے وہ بھی کافی بڑا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کرناٹک کو متحد کرنیکا
مطالبہ اگرچہ عملاً تمام باشندوں نے نہیں کیا ہے پھر بھی بہت بڑی اکثریت کا ہے۔ وہاں کوئی ہندو مسلم
مناقشہ نہیں ہے لیکن برہمن غیر برہمن مناقشہ ضرور ہے مگر اسکا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کوئی منتظم
مخالفت موجود نہیں ہے اگرچہ بعض برہمن اس کے مخالف ہیں۔ مہاراشٹریوں کی طرف سے جو بعض سرحدی
اضلاع میں آباد ہیں اس خطرہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکی زبان کو نقصان پہنچیگا لیکن اس کے لیے حفاظتی
تدابیر اختیار کیجا سکتی ہیں۔ مالی حیثیت سے کرناٹک کا پہلو بہت قوی ہے حتی کہ آج کل بھی کرناٹک کے
برطانوی حصہ میں کافی بچت ہے۔ ہمارے رفیق مسٹر م۔ س۔ آنے کرناٹک کے معاملے میں ہمارے نقطہ
نظر سے کلیتہً متفق نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے وہ کمیٹی کے اس اجلاس میں موجود نہ تھے جس میں اس مسئلہ
پر کرناٹک کے نمائندے کی مدد سے غور کیا جارہا تھا۔ مسٹر آنے کی رائے ہے کہ ممکن ہے مخالفت اس
سے زیادہ ہو جتنی ہم نے سمجھ رکھی ہے اور اس مخالفت کے ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ یہ ہو کہ مخالفین کو یہ
علم ہی نہ ہو کہ ہم اس مسئلہ پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ اسکا امکان بہت کم ہے اس لئے کہ کرناٹک کے
اخبارات پچھلے دنوں اسی مسئلے سے بھرے ہوئے ہوتے تھے اور ہماری کمیٹی کے سامنے جو نمائندگی
کرناٹک کی ہوئی ہے اسکی بھی کافی اشاعت ہو چکی ہے۔ اگر کوئی جماعت واقعی دل سے اس مسئلہ کی
مخالف ہوتی تو وہ ضرور ہمیں اپنے خیالات سے آگاہ کرتی۔ بلاشبہ ہم کوئی آخری فیصلہ تو اس مسئلہ
کا ابھی نہیں کر سکتے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اتحاد کے حامیوں نے بظاہر اپنے مطالبے کی موافقت میں
قوی دلائل پیش کر دیے ہیں۔ ہم نئے صوبے کے صحیح حدود متعین نہیں کر سکتے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض سرحدی
علاقے ایسے ہوں جن میں دو زبانیں بولی جاتی ہوں اس کے لئے معائنہ موقع ضروری ہے اور
یہ کام ماہرین کی ایک کمیٹی کو کرنا چاہیئے۔ مسٹر آنے اور مسٹر پردھان اس مسئلہ پر کوئی رائے دینا نہیں
چاہتے۔

<u>سندھ</u> :- یہ افسوس کی بات ہے کہ اس گرما گرمی کے باوجود جو علیحدگی سندھ کے مسئلہ میں رہی ہے اتنا بھی
ہمیں تمام متعلقہ حقائق کا ویسا علم نہیں ہے جیسا کہ کرناٹک کے متعلق اس کے نمائندوں کی وجہ سے

ہمیں حاصل ہوا۔ جو لوگ علیحدگی سندھ کا مطالبہ کرتے ہیں ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ بھی کرناٹک کی طرح صبر و استقلال کے ساتھ تفصیلی نقشے اور اعداد و شمار فراہم کرکے اپنے مقدمے کو مضبوط بنالیں۔ جیسا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں آل پارٹیز کانفرنس نے اس مسئلہ کے مالی پہلو کی تحقیقات کے لئے ایک سب کمیٹی دہلی میں مقرر کی تھی لیکن بدقسمتی سے حامیان علیحدگی نے اس سب کمیٹی کو کوئی آسانیاں نہیں بہم پہنچائیں۔ چنانچہ اب تک وہ اپنی رپورٹ نہیں پیش کرسکی ہے ہمیں معلوم نہیں کہ مستقبل قریب میں کوئی رپورٹ پیش کرنا اس کے لئے ممکن بھی ہوگا یا نہیں۔ فی الحال ہمیں عام اصولوں کے ماتحت آگے بڑھنا ہوگا اور بغیر اس مدد کے جو صحیح اعداد و شمار سے مل سکتی تھی کام کرنا پڑے گا۔

ہم صوبوں کی تقسیم سے متعلق دو اہم اصول متعین کرچکے ہیں، ایک لسانی وحدت اور دوسرا باشندوں کی خواہش، بلاشبہ سندھ دونوں پر پورا اترتا ہے۔ یہ ایک ممتاز لسانی اراضی ہے اور باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہش مند بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پاس صحیح اعداد ان لوگوں کے نہیں ہیں جو علیحدگی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہمیں اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی مسلمان علیحدگی کا مخالف ہو اور مسلمان سندھ میں ۷۴ فیصدی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ سندھ کی دوسری جماعتوں ہندو اور پارسی کے کم از کم بعض افراد تو ضرور علیحدگی کے حامی ہیں۔ اس لئے ہم لاخوف و خطر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہشمند ہے۔ ہمیں یہ علم ہے کہ ہندوؤں کا ایک طبقہ (اور ممکن ہے کہ شہر میں بسنے والے ہندوؤں کا بڑا حصہ اس میں شامل ہو) اس علیحدگی کی شدت سے مخالفت کر رہا ہے۔ اس پر اصرار کیا گیا ہے کہ قبل اس کے کہ کوئی صوبہ علیحدہ کیا جائے اقلیت والی جماعت کے ایک حصہ کو بھی جو بقول ان لوگوں کے ایک ثلث ہو اس سے متفق ہونا چاہئے۔ ہمارے خیال میں تو یہ ایک بالکل غلط اصول ہے اور یہ نہ صرف خود مختاری کی بیخ کنی کرتا ہے بلکہ کثرت رائے سے فیصلے کا جو اصول ہے اس کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ پھینکتا ہے اور اس سے بہت غیر معمولی نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے مثلاً یہ ممکن ہے کہ آبادی کا ۱۰ یا ۱۵ فیصدی حصہ ۹۰ یا ۸۵ فیصدی کو اپنی منشا کے مطابق کام کرنے سے قطعی طور پر باز رکھے۔ پھر یہ جمہوریت تو نہ ہوئی اس کے علاوہ ایسے مسائل میں اقلیت والی

جماعت کیا ہو گی۔ عموماً تو صوبوں کی تقسیم کا مسئلہ ہندو مسلم یا فرقہ وارانہ مسئلہ ہو گا نہیں۔ جو اقلیت اس کی مخالفت کرے گی وہ فرقہ وارانہ وجوہ سے نہیں بلکہ حسن و قبح کے لحاظ سے ایسا کرے گی۔ پھر ایسی اقلیت کے ایک فرد کو بھی تبدیل رائے کے لئے مجبور کرنا کس طرح ممکن ہو گا اور اگر کچھ لوگ رائے تبدیل بھی کر دیں تو ایک دوسری اقلیت باقی رہتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اس اقلیت کے ایک ثلث کو بھی راضی کرنا چاہئے۔

اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ سندھ دونوں بڑی شرطوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بین جغرافی وحدت ہے۔ اور بمبئی سے اسکا تعلق بالکل غیر فطری ہے۔ بمبئی سے وہاں بہ آسانی پہنچنا بھی ممکن نہیں ہے اس لئے انتظاماً بھی علیحدگی ہی مناسب ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ معاشی اور اس سے بھی زیادہ مالی حیثیت سے سندھ ایک مستقل صوبے کے بار کو نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بھی دکھایا جاتا ہے کہ ہر سال سندھ میں کافی گھاٹا ہوتا ہے جو احاطہ بمبئی کے دوسرے حصوں کے محاصل سے پورا کیا جاتا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ عام طور پر ہر صوبے کو مالی معاملات میں کافی بالذات ہونا چاہئے اور مرکزی حکومت کے سامنے دست سوال نہیں دراز کرنا چاہئے یہ بات ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے کہ غیر معمولی حالات میں مرکزی حکومت کچھ عرصے کے لئے کسی صوبے کی ترقی میں مدد دے تاکہ آئندہ وہ صوبہ کافی بالذات ہو جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے مخصوص حالات بھی ہو سکتے ہیں جب ایسی مدد ضروری ہو۔ لیکن ایک ایسی آراضی کو جو علیحدگی کا مطالبہ کر رہی ہو اس امید پر نہیں رہنا چاہئے کہ باہر سے اس کے پاس دولت آتی رہے گی جس سے وہ اپنے انتظام کی کل چلاتی رہے گی۔ اسکو محسوس کرنا چاہئے اور اعلان کر دینا چاہئے کہ وہ اپنا بار خود اٹھائیگی۔

ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ آجکل سندھ باہر کے روپے کی مدد سے اپنی حکومت کو چلا رہا ہے لیکن اس سے ہم متیجہ نہیں ہو جاتے۔ یہ ممکن ہے کہ اخراجات کے معیار میں کمی کرنے سے کام چلنے لگے۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ ماحاصل بمزید ذرائع مثلاً زیادہ زراعت یا کسی دوسرے طریقہ سے اس کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو سکے۔ یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ آزاد ہونے کے بعد تمام ہندوستان

میں اسے حل کرنا پڑے گا - اس وقت ہماری اولین توجہ اس طرف ہوگی کہ دولت کو ملک کے ترقی دینے
میں اور خصوصاً ان محکموں میں صرف کریں جن سے تعمیر قوم ہوتی ہو - یہ روپیہ تو اسی طرح حاصل ہو سکتا
ہے کہ صوبوں کے اخراجات میں کمی کیجائے اور آمدنی کے نئے راستے معلوم کئے جائیں -

بظاہر سندھ میں ترقی کے بہت امکانات ہیں - کراچی کا ایک بڑا انبدرگاہ ہوجانا ممکن ہے
اور ابھی بہت سے علاقے ایسے ہیں جن میں یا تو کاشت سرے سے نہیں ہوتی یا ابھی بہت توسیع کی
گنجایش ہے - اس لئے یہ مفروضہ غیر مناسب نہ ہوگا - کہ کچھ دن گذرنے کے بعد سندھ ایک دولتمند اور
کافی بالذات صوبہ ہوجائیگا -

اپنے معاملات خود فیصلہ کرنے کا حق اگر محض مالی وجوہ سے تسلیم نہ کیا گیا - اور ہمارے نزدیک
اور کوئی دوسری معقول وجہ موجود نہیں ہے تو یہ بہت بے اطمینانی کا باعث ہوگا اور لازماً سندھ کی ترقی
کی راہ میں حائل ہوگا اور تمام وہ قوت جو صوبے کی زندگی اور اسکے کاموں میں صرف ہونی چاہئے
غیر مفید تحریکوں میں ضائع ہوگی - لیکن اگر یہ حق تسلیم کرلیا گیا اور یہ شرط بھی لگا دی گئی کہ اہل سندھ کو
مالی بوجھ خود اٹھانا پڑے گا تو یہ گویا نئے صوبے کو مصروف عمل ہونے اور دوسرے ترقی یافتہ صوبوں
سے مقابلہ کرنیکی دعوت ہوگی اور ایسا کرنا ہموار ترقی کے لئے مہمیز کا کام دیگا -

بایں وجوہ ہمارا خیال ہے کہ سندھ کی علیحدگی کی موافقت میں دلائل بہت قوی ہیں - مالی حیثیت
کے متعلق کافی معلومات کی غیر موجودگی میں ہم اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے - لیکن کم از کم یہ
ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مالی خطرات کے اس قدر قوی ہونیکا بہت کم امکان ہے کہ وہ تمام ان عناصر پر
غالب آجائیں جن سے ہم نے بحث کی ہے اس لئے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ناقابل عبور دشواری
نہ پیش آجائے - اور فی الحال تو ہم کسی ایسی دشواری کا تصور بھی نہیں کرسکتے تو سندھ کو علیحدہ کردینا
چاہئے -

اس موقع پر ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ ہمارے رفقا مسٹر آنے اور مسٹر بردھان ان دلائل
سے جو ہم نے پیش کئے ہیں پورے طور پر متفق نہیں ہیں - وہ یہ تو مانتے ہیں کہ سندھ ایک لسانی آراضی

ہے اور باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہشمند بھی ہے لیکن انکا خیال ہے کہ آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مالی اور انتظامی پہلوؤں کی بھی پوری پوری تفتیش کر لینی چاہیئے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ علیحدگی کے نفاذ سے پہلے مالی پہلو کی کچھ نہ کچھ چھان بین تو ضرور کرنی پڑے گی۔ یہاں یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ ایک آراضی کے الگ کرنے اور نئے صوبے کی تشکیل سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاشی زندگی بھی بالکل جداگانہ ہو اور نہ یہ ہی لازمی ہے کہ حکومت کے تمام آلے دوکر دئے جائیں مثلاً یہ اچھی طرح ممکن ہے کہ ایک ہائی کورٹ ایک سے زیادہ صوبوں کے لئے کافی ہو۔

سندھ کی بحث ختم کرنے سے پہلے ہم اس دستاویز کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو معاہدہ سندھ کے نام سے موسوم ہے اور جسے ہمارے پاس سندھ نیشنل لیگ نے بھیجا ہے۔ یہ دس دفعات پر مشتمل ہے اور موضوع اس کا بہت وسیع ہے۔ اس پر ۱۳ ہندو مسلمان اور پارسی حضرات کے دستخط ثبت ہیں۔ ہمارے پاس سندھ آرین سبھا اور سندھ پراونشل ہندو سبھا کے معروضے اور بعض انفرادی ہندو سندھیوں کے تار بھی آئے ہیں جن میں اس معاہدے سے برات کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اس کے بانی صحیح نمائندے نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ایسا کوئی مسالہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم ان دونوں مخالف گروہوں کے متعلق جو سندھ کی نمائندگی کے مدعی ہیں کوئی فیصلہ کر سکیں اور نہ ہم اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ سندھیوں میں ایسا کلی اتفاق موجود نہیں ہے جس سے کمیٹی اس معاہدے کو بجنسہ قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اس حیثیت سے کہ یہ چند ذمہ دار اشخاص کا معروضہ ہے۔ ہم نے اس پر کافی غور کیا ہے۔ ہم اس سے پہلے اس دفعہ کا ذکر کر چکے ہیں جو تحفظ نشست سے متعلق ہے اور اسے قبول کرنے سے اپنی معذوری کا بھی اظہار کر چکے ہیں جہاںتک بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی مناسبت کا تعلق ہے ہم اُن سے متفق ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ انکے اس اعلان کو کہ وہ حقیقی چادر ہوگی اتنا ہی پیر پھیلائینگے،، مالی مسئلہ کا آخری حل کی حیثیت نہیں دے سکتے۔ فی الحال اس معاملے کو وہیں رہنا چاہیئے جہاں ہم نے اسے چھوڑا ہے۔ معاہدے کی دوسری دفعات کا ذکر چنداں ضروری نہیں۔

باب پنجم

ہندوستانی ریاستیں اور سیاست خارجہ

پبلک اشخاص اور انجمنوں کا رویہ دیسی ریاستوں کے معاملہ میں

اب ہم ہندوستانی ریاستوں کے مسائل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جو نہایت اہم ہیں۔ اس موضوع پر بحث کے لیے شروع ہی میں ہم اس عام اعتراض کا سدباب کر دینا چاہتے ہیں، جو آج کل بعض حلقوں میں برطانوی ہند کے سیاسیین کے خلاف عام طور پر کیا جاتا ہے، کہ یہ لوگ اپنے مباحث اور تجاویز میں دیسی ریاستوں کے نفس وجود کو اور موجودہ یا آیندہ زمانہ میں حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کے سوال کو یک قلم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نہایت پُرزور طریقہ کے ساتھ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات پر یا حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کو کبھی عام جلسوں، سیاسی کانفرنسوں یا ہمارے سیاسیین کی تقریروں میں نظر انداز کیا گیا ہو۔ اگر شکایت یہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات پر یا حکومت ہند کے ساتھ انکے تعلقات کی نوعیت و حیثیت پر مرکزی مجلس قانون ساز کے اندر بحث نہیں کی گئی ہو۔ تو اسکا نہایت صاف جواب یہ ہے کہ مجلس مذکور کے موجودہ احکام کی رو سے ایسی بحث ممنوع ہے۔ اور عملاً اس کی کبھی اجازت نہیں دی جاتی۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ذمہ داری ہندوستان کے سیاسیین کے سر عائد نہیں کی جا سکتی۔ بخلاف اس کے ملک کی مشکل کوئی سیاسی با اثر انجمن ہوگی جس نے ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ پر پچھلے دنوں کچھ نہ کچھ اظہار خیال نہ کیا ہو۔ کانگریس، لبرل لیگ، ہندو سبھا اور سب سے آخر میں خود آل پارٹیز کانفرنس نے جس کی طرف سے کمیٹی مقرر کی گئی ہے، اس مسئلہ کو نظر انداز کرنا تو درکنار اسپر بہت کافی زور دیا ہے۔ ہندوستانی ریاستوں کی رعایا بھی اپنی اپنی ریاستوں کے داخلی معاملات میں کافی دلچسپی کا اظہار کرتی رہی ہے اور عوام کے حقوق و آزادی کے باضابطہ تسلیم کیے جانے پر زور دیتی رہی ہے۔ اُن کے نمائندوں کی دو کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ اور دوسری نے جو مدراس میں ہوئی تھی، ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس نے

برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں دونوں کے لئے سوراج کی ایک اسکیم منظور کرکے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اس اسکیم پر بحث ہم بعد میں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ انھیں تھوڑے دنوں کے اندر بعض والیان ملک کے جذبات کو برطانوی ہند کی رائے عامہ کے اس دلچسپی لینے سے ٹھیس لگی ہے جو اُن کے نزدیک مداخلت بیجا کی حد تک پہنچتی ہے۔ اور جسیں وہ یہ عیب بتلاتے ہیں کہ اس میں یا تو واقفیت کی کمی ہے یا سیاسی تدبر کی، یا ہمدردی کی۔ لہذا ہم نہایت زور کے ساتھ اس بے بنیاد الزام کی تردید کرتے ہیں کہ برطانوی ہند کے سمجھدار لوگوں کی رائے کبھی اسقدر خودغرض رہی ہے، کہ وہ برطانوی ہند کے حدود کے باہر نظر نہ اٹھائے، یا والیان ملک یا ان کی رعایا کے نقطہ نظر کے سمجھنے پر آمادہ نہ ہو۔ یا جہاں اور جب کبھی ہمدردی کا امکان ہو تو اس کے اظہار میں کوتاہی کی ہو۔ اگر اس نے کبھی کبھی والیان ملک کے "مطالبات" پر نکتہ چینی کی ہے۔ یا بعض اوقات اُن کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ہے، یا کبھی اُن کے اور آئندہ خود مختار ہندوستان کے درمیان دستوری تعلقات کے ارتقا کو دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ اس کا اُسے حق حاصل تھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ برطانوی ہند کے درجۂ نوآبادیات حاصل کرنے کی راہ میں ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کو ایک ناقابل حل دشواری کی شکل میں پیش کرنا دونوں کے لئے بیشمار نقصانات کا موجب ہوگا اور بجائے اس کے کہ یہ مسئلہ ان دونوں ہندوستانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں معاون ہو، احتمال ہے کہ شدید غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا۔

برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے روابط

جہاں یہ واقعہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک "ہندوستانی ہندوستان" ہے جو ان ریاستوں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض اگر بڑی نہیں تو کم از کم یورپ کے بعض ملکوں کے برابر ہیں جنھیں ایک قسم کی اندرونی حاکمیت، خودمختاری، اور آزادی، رتبہ اور حیثیت حاصل ہے۔ وہاں ہمارا خیال ہے کہ اس کھلے تاریخی، مذہبی، تمدنی اور معاشی لگاؤ کو نظرانداز کرنا جو برطانوی ہند اور ان ریاستوں کے باشندوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ خلاف تدبر اور

تنگ نظری کا مرادف سمجھا جائیگا۔ اور نہ ہمارے خیال میں ان دونوں علاقوں کے درمیان
کوئی مصنوعی جغرافیائی حد فاصل کھڑی کرنا ممکن ہے۔ آج خیالات اور رائیں ہندوستان کے ایک
حصے سے دوسرے حصہ میں اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ پہنچ جاتی ہیں، جتنا ۲۰،۲۰ برس
پہلے پہنچا کرتی تھیں۔ ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کے متعلق اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر گفتگو
کرنی حماقت ہوگی کہ جو متحرک قوتیں اسوقت برطانوی ہندمیں کارفرما ہیں، وہ بس برطانوی
ہند کی سرحد پر پہونچکر ختم ہو جائیں گی۔ یہ بات کسی طرح خیال میں نہیں آسکتی ہے کہ ریاستوں کے باشندے
جنکے سینوں میں وہی حوصلے اور امنگیں موجزن ہیں جو برطانوی ہند کے باشندوں میں ہیں ہمیشہ ہمیشہ موجودہ
حالات کو اسی خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہیں گے، یا برطانوی ہند کے لوگ جو اس فرضی خط
کے دوسری جانب بسنے والے بھائیوں کے ساتھ خاندانی نسلی اور مذہبی رشتوں سے وابستہ
ہیں، کبھی ان کے شریک حال نہ ہوں گے۔ لہذا اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے میں ہمیں اپنے نتائج
کی بنیاد ظاہری اختلافات سے زیادہ مفاد کے اشتراک پر رکھنی چاہیئے۔ اس اشتراک مفاد کا
تقاضا یہ ہے کہ فریقین باہمی تحفظ اور ترقی کے لئے ملکر کوشش کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر کبھی کسی "راؤنڈ ٹیبل
کانفرنس" کا موقع تھا جس میں مکمل سمجھوتہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا تو وہ یہ تھا۔ والیان ملک، ان کی
رعایا، حکومت ہند اور برطانوی ہند، ان میں سے ہر ایک کے نمایندے اس کانفرنس میں جمع
ہوتے۔ اور تمام مشکلات باہمی رضامندی سے حل ہو جاتیں، لیکن بدقسمتی سے اکثر والیان ملک نے دو
اہم ترین جماعتوں یعنی اپنی رعایا اور برطانوی ہند کی رعایا کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے اور بٹلر کمیٹی
کے تقرر کی خواہش کی، یا اُسے تسلیم کر لیا ہے جو قطع نظر اس سے کہ اس میں ضروری فریقین موجود نہ ہونگے
خود اپنے حدود استصواب کے لحاظ سے (جیسا کہ ہم انہیں سمجھے ہیں) دستوری مسائل پر بحث کرنے
سے معذور ہے۔ یہ کمیٹی اپنے مخفی جلسے کر رہی ہے لیکن جو معلومات کہ مطبوعہ بیانات کے ذریعہ سے
ہم تک پہونچی ہیں، اُن کے دیکھنے کے بعد ہمارے ذہن میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ دستوری
نظریوں سے کام لیکر ان ہندوستانی ریاستوں کو ہندوستانی السٹر (Ulster) بنانے

کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ہم نے اپنی تمہید میں اس دستوری سوال کی طرف اشارہ کیا ہے جو سر ملکم ہیلی نے فروری سنہ ۱۹۲۲ء میں مجلس قانون ساز کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اٹھایا تھا۔ اس وقت سے وہی سوال یا اس قسم کے دوسرے سوالات دوسرے حلقوں سے بھی اُٹھائے جا رہے ہیں اور اب ہم انہی سوالات سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

دستوری حیثیت

اسوقت جو دستوری حیثیت ہے۔ اُسکا سمجھنا با وجود ابہام کے چنداں دشوار نہیں۔ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ صحیح دستوری نظریہ کی رو سے ہندوستانی ریاستوں کا تعلق تاج برطانیہ سے ہی۔ اور ہمیشہ رہا ہے۔ خواہ ان کے معاہدے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہوئے ہوں خواہ تاج برطانیہ سے۔ یا سنہ ۱۸۵۸ء سے حکومت ہند کیساتھ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ دستور کی رو سے تاج سے مراد صرف بادشاہ ہی نہیں ہی۔ یہ ایک عام دستوری اصطلاح ہی جس سے بادشاہ مع پارلیمنٹ مراد ہے سنہ ۱۸۵۸ء سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو اُن اختیارات کی رو سے جو تاج کیطرف سے اُسے تفویض کئے گئے تھے۔ پورے حاکمی حقوق حاصل تھے۔ اور سنہ ۱۸۵۸ء سے وہ اختیارات حکومت ہند اور وزیر ہند کیطرف منتقل کر دیئے گئے۔ جو اس نظام کا ایک لازمی جزو ہے۔ جو پارلیمنٹ نے ہندوستان کی حکومت کے لئے قائم کیا ہی سنہ ۱۸۵۸ء کے ایکٹ کی دفعہ ۶۷ میں ہے کہ "تمام وہ معاہدے جو کمپنی مذکور نے کئے ہیں، اُن کی پابندی ملکہ معظمہ پر عائد ہوگی" اور اسی طرح رائج الوقت ایکٹ کی دفعہ ۱۳۲ میں یہ ہی کہ "تمام وہ معاہدے جو اس قانون کے نفاذ کے وقت قائم ہیں۔ ملک معظم اُن کے پابند رہیں گے"۔ واقعہ یہ ہے کہ ان معاہدوں کا نفاذ ان فرائض کی تکمیل جو ان معاہدوں کے رو سے عاید ہوتی ہیں اور اُن معاہدوں کی تاویل یہ سب کچھ ابتک وزیر ہند کی نام نہاد نگرانی کے ماتحت حکومت ہند کے معمولی کام اور فرائض میں داخل رہا ہے یہ خیال میں ہی نہیں آسکتا کہ کوئی والی ریاست موجودہ دستور کے ماتحت حکومت ہند یا وزیر ہند کو نظر انداز کرکے کوئی معاملہ جو ایسے فرائض سے تعلق رکھتا ہو۔ بادشاہ یا ملک معظم کی حکومت کے

پاس براہ راست لیجا سکتا ہو علاوہ اس کے واقعہ یہ ہے کہ حکومت ہند کو بعض اختیارات محض کثرت استعمال رسم و رواج کے بنا پر حاصل ہوگئے ہیں جو تحریری معاہدوں کے حدود سے باہر ہیں۔ حکومت ہند نے اپنے حدود و اختیارات کی توضیح کے لئے بارہا فارن جورس ڈکشن ایکٹ سنہ ۱۸۹۰ء اور انڈین فارن جورس ڈکشن ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۷۹ء کیطرف بار رجوع کیا ہے۔

حکومت ہند کی قرار داد

۲۹ ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کی قرار داد کی رو سے حکومت ہند نے ان سفارشات کو منظور کر لیا ہے، جو ہندوستان کی آئینی رپورٹ کے پیرا ۳۰۹ میں درج ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے معاملات میں کیا رویہ اختیار کیا جائے، جنہیں کسی اہم ریاست کے والی کو عارضی یا مستقل طور پر ان حقوق، اعزازات، و اختیارات میں سے جو بہ حیثیت والی کے اُسے حاصل ہیں کسی سے محروم کرنیکا سوال پیدا ہو، یا ایسے والی کے ولیعہد یا کسی اور رکن خاندان کو جانشینی سے روکنے کا مسئلہ پیش آئے، جو ریاست کے قانون اور دستور کی رو سے جانشینی کا مستحق ہو۔

دستوری حیثیت کے متعلق لارڈ ریڈنگ کے خیالات

اپنے خط مورخہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء میں لارڈ ریڈنگ نے دستوری حیثیت کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں زور دیا ہے (۱) ہندوستان میں تاج برطانیہ کی حاکمیت سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس لئے کسی ہندوستانی ریاست کا کوئی والی برطانیہ کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے گفت و شنید نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی برتری صرف معاہدوں اور صلحناموں پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہ بذات خود اپنی ایک حیثیت رکھتی ہے، اور ان مخصوص اختیارات سے قطع نظر جو اُسے دول خارجہ اور سیاست خارجہ سے متعلق معاملات میں حاصل ہیں حکومت برطانیہ کا یہ حق اور فرض ہے کہ وہ ان صلحناموں اور معاہدوں کا دیانت کے ساتھ لحاظ رکھتے ہوئے ہندوستان بھر میں امن اور انتظام قائم رکھے۔ (ب) ہندوستانی ریاستوں کے داخلی معاملات میں حکومت برطانیہ کا حق مداخلت تاج برطانیہ کی برتری کے لازمی نتائج کی ایک دوسری مثال ہے۔ (ج) داخلی حاکمیت کے مختلف مدارج جو والیان کو حاصل ہیں، وہ سب اس شرط

کے ماتحت ہیں کہ حکومت بالادست اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرسکے"۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان وسیع اختیارات کے عمل میں لانے پر، یا صحیح طور پر یوں کہنا چاہیے کہ پچھلے چند سالوں میں حکومت ہند کے اس فیصلہ پر کہ بعض والیان کے معاملہ میں ان اختیارات کا استعمال کیا جائے بہت کچھ نکتہ چینی اور بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور لارڈ ریڈنگ نے ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام حیدرآباد کے اس خط میں جس کا کچھ حصہ ہم نے اوپر نقل کیا ہے ان کی آئینی حیثیت کو جسطرح واضح کیا ہے، اس سے بڑی تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا یہ منشا و مقصد نہیں ہے کہ اس خط میں جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کی صحت یا عدم صحت پر بحث کریں۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسقدر وسیع اختیارات بھی حکومت ہند ہی کی مرضی اور منشا سے اور اسی کی معرفت استعمال کئے جا سکتے ہیں

رسم یا رواج یا برطانوی طاقت کی برتری کے لازمی نتیجہ کی حیثیت سے حکومت ہند نے (۱) گدی پر راجہ یا نواب کے بٹھانے، (ب) حکمراں کی کمسنی کے دوران میں ریاستوں کا انتظام کرنے (ج) والیان اور جاگیرداروں میں تنازعات کے فیصلہ کرنے اور (د) سخت بدانتظامی کی صورت میں مداخلت کرنے کے حق کا ہمیشہ دعویٰ کیا ہے۔ اور اسے استعمال بھی کیا ہے ان معاملات میں والیان ریاست کو شکایتوں کے رفع کرنے کی جو جائز خواہش ہوگی۔ اس کے ساتھ جمہوری ہند کا بھی ہمدردی ظاہر کرنا ممکن ہے، اور ہم اسے کسی طرح ناممکن اور ناقابل عمل نہیں سمجھتے کہ ان حدود کو متعین کر دیا جائے جنہیں رہ کر حکومت ہند اپنی موجودہ یا آیندہ شکل میں مداخلت کر سکتی ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ اس کھلی ہوئی حقیقت کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے کہ حکومت ہند بحیثیت نوآبادی بھی ملک معظم کی ویسی ہی حکومت رہے گی جیسی کہ موجودہ حکومت ہند ہے۔ اور ہندوستان کی نوآبادی طرز کی حکومت کے لئے موجودہ حکومت ہند کی جگہ لینے میں کوئی آئینی رکاوٹ نہیں ہے۔

اگر وفاداری اور محبت کے کچھ ایسے شخصی رشتے ہیں جو ہندوستان کے راجاؤں اور

نوابوں کو ملک معظم کے خاندان، ذات، یا تخت سے وابستہ کئے ہوئے ہیں تو وہ رشتے اسوقت جبکہ ہندوستان نو آبادیاتی حیثیت حاصل کرے گا، ہندوستان میں ملک معظم کی حکومت کے اندر ترمیم یا تبدیلی سے ٹوٹ نہیں سکتے۔ تاج کیساتھ اپنے فرائض یا تاج کو ان کے ساتھ اپنے ان حقوق کے استعمال کی گنجائش ہمیشہ باقی رہیگی جو تاج برطانیہ اور والیان ہند کے درمیان ذاتی تعلقات کی بنا پر عاید ہوتے ہیں۔

سرسیلی اسکاٹ کے خیالات | اسکے بعد ہم اس موضوع پر تازہ ترین خیالات کی طرف توجہ کریں گے یہ خیالات والیان ریاست کے لائق وکیل سرسیلی اسکاٹ جیسے ممتاز شخص کے ہیں جن کو انھوں نے ایک خط میں ظاہر کیا ہے جو لاکوارٹرلی ریویو کے جولائی نمبر میں شایع ہوا ہے۔ ہم بحیثیت وکیل کے اُن کی قابلیت تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کے خیالات بحیثیت والیان ہند کے وکیل کے ایک غیر جانبدارانہ منصف یا قانون داں کے آگے جس کے سامنے مسئلہ کے دونوں پہلو پیش کر دیئے گئے ہوں تحقیق وامتحان کے محتاج ہیں۔ جہانتک ہمارا تعلق ہے ہمیں ان سے قطعی اختلاف ہے یہ بات بیان کرنے کے بعد کہ تاج اور ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات نہ بین الاقوامی قانون کے تحت میں آسکتے ہیں، اور نہ میونسپل قانون کی تحت میں، سرسیلی اسکاٹ دریافت فرماتے ہیں کہ پھر ایک ہندوستانی ریاست کے تعلقات تاج برطانیہ کے ساتھ قانونی اصولوں کے کس نظام کے ماتحت آسکتے ہیں، کوئی قانونی فیصلہ نہیں جو نظیر کا کام دے سکے، اور نہ کوئی مکمل مثال ہے جو رہبری کرسکے، ایسی صورت میں قانون کے اولین اصولوں کیطرف رجوع کرنا چاہیئے ہمیں معاملہ خود ہی سوچنا پڑے گا۔ قانون داں کے لئے یہ تقریبًا اچھوتا میدان ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک قانون داں کے لئے یہ اچھوتا میدان ہے، جو ہمارے خیال میں صحیح نہیں تب بھی ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق ایک موشگاف قانون داں سے اتنا نہیں ہے جتنا ایک کارساز مدبر سے ہے۔ سرسیلی اسکاٹ نے اپنے اس خط میں پانچ خاص دلیلیں پیش کی ہیں انمیں سے بعض صحیح تسلیم کئے جا سکتے ہیں لیکن بعض کو بہت زیادہ وسیع الفاظ میں بیان

کیا گیا ہے۔

بہرصورت ان دعووں سے جو نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کا اثر اسقدر دور تک پہنچتا ہے کہ اگر والیان ہند نے اپنے دعاوی کو اسی اساس پر قائم رکھنے کا فیصلہ کیا جو اس قدر ہوشیاری سے ان کے لیے تیار کی گئی ہے۔ تو یہ بالکل یقینی ہے کہ برطانوی ہند اپنی نوآبادیاتی حکومت کی خواہش کے ساتھ انکے اظہار ہمدردی کو باور کرنے پر آمادہ نہ ہوگا، اور ہندوستان کے لیے دولت متحدہ کا جو ذکر وہ کرتے ہیں، اسے ایک خواب سے زیادہ نہ سمجھیگا جس کی تعبیر کو ایک بعید اور غیر معین مستقبل پر اٹھا رکھنا پڑے گا۔ سر لسلی اسکاٹ کا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ بنیادی رشتہ باہمی رضامندی ہے، اور برطانیہ نے اسے صراحتاً تسلیم کر لیا ہے۔ اسے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن اس دعوے میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے، جو ہر ان دو ریاستوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے جو باہمی معاہدوں یا سمجھوتوں کے ذریعے سے وابستہ ہیں۔

دوسرا دعویٰ جو انہوں نے پیش کیا ہے یہ ہے کہ یہ معاہدے حاکمان مطلق کے درمیان ہیں یعنی والیان اور تاج برطانیہ کے درمیان ہوئے ہیں نہ کہ کمپنی یا حکومت ہند کے ساتھ۔ یہ دعویٰ ہمارے خیال میں تاریخی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے بالکل ناقابل قبول ہے۔ اور بہرصورت قانونی نظریہ خواہ کچھ بھی ہو، واقعی عمل یہ بتاتا ہے کہ ہندوستانی نواب و راجگان اور ریاستوں کا تعلق زیادہ تر حکومت ہند سے رہا ہے اور انھوں نے اسی کے احکام، فیصلے اور مداخلت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے، اور کبھی "تاج" یا ملک معظم کے حکومت سے تعلق نہیں رکھا ہے۔ ملک معظم اور ایک ہندوستانی والی ریاست میں اگر ذاتی تعلقات ہوں تو ہمارے خیال میں اس مسئلہ کی صحیح قانونی حیثیت میں نہ کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، نہ اس کی عملی تفسیر پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ "یہ تعلق بالکل قانونی ہے یعنی باہمی حقوق اور فرائض کا ایک رشتہ ہے اور کسی اعتبار سے محض آئینی یا انتظامی چیز نہیں ہے"۔

ہمارا خیال تھا کہ والیان ہند کی ایک سب سے بڑی شکایت یہ ہوگی کہ حکومت ہند نے عملاً اپنے

اختیارات کو اس قانونی تعلق کے حدود سے باہر من مانے طریقہ پر استعمال کیا ہو اگر وہ ان اختیارات کی من مانی توسیع کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں تو ہمارے خیال میں یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن یہ ذرا خیال رکھنے کی بات ہے کہ جس سلسلہ میں یہ بات پیش کی جا رہی ہے۔ اس کی موجودہ حالات میں اتنی عملی اہمیت نہیں ہے جتنی برطانوی ہند کی اس دستوری ترقی کے سلسلہ میں ہو جو آیندہ ہونیوالی ہے۔

چوتھا دعوی یہ ہے کہ ان والیان نے معاہدے کرتے وقت برطانوی تاج اور برطانوی قوم پر اپنا اعتماد قائم کیا تھا۔ اور تاج ان معاہدوں کو کسی تیسری جماعت کے سپرد نہیں کر سکتا حکومت برطانیہ نے بحیثیت حکومت بالادست کے تمام ریاستوں کا تحفظ اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اس لئے اس نے یہ پابندی بھی اپنے سر لی ہے کہ اس فرض کی ادائگی کے لئے جتنی بری اور بحری فوج کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ہندوستان میں موجود رہے۔ ان افواج کو وہ کسی دوسری حکومت کے ہاتھ میں نہیں دے سکتی۔ نہ کسی غیر ملکی طاقت مثلاً فرانس، جاپان کے ہاتھ میں نہ کسی نوآبادیاتی حکومت، جیسے کنیڈا، اسٹریلیا کے ہاتھ میں، اور نہ خود برطانوی ہند کو (خط ہم نے کھینچا ہے)

اسکا لازمی نتیجہ جو نکلتا ہے وہ پانچویں دعوی میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاج معمولاً اپنے کارندوں کا انتخاب کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کارندے کو مفاد اور اُسکے فرض میں تصادم ہو تو اس صورت میں وہ کام نہیں کر سکتا۔ اپنے اور ریاستوں کے تمام مشترکہ معاملات میں (مثلاً محاصل ریلوے، بندرگاہیں، نمک کے اجارے وغیرہ) ہمیشہ اس بات کا امکان ہو کہ برطانوی ہند اور کسی مخصوص ریاست کا مفاد ایک نہ ہو۔ ایسی صورت میں تاج کا فرض ہے یا ہو سکتا ہو کہ وہ اس ریاست کے مفاد کی حفاظت کرے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ کوئی نابالغ حکومت کر رہا ہو۔ کیا کارندہ کے مفاد کو آقا کے فرض سے متصادم ہونے کا موقع دینا چاہئے" یہ اگر صحیح ہو تو برطانوی ہند کے درجہ نوآبادیات حاصل کرنے کی راہ میں اسوقت بھی اور آیندہ ہمیشہ کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ والیان ہند اور برطانوی تاج و برطانوی قوم کے درمیان یہ

معاہدے اگر بالکل شخصی حیثیت رکھتے ہیں تو ہندوستان ہمیشہ دو مختلف حصوں یعنی برطانوی
ہند اور ہندوستانی ریاستوں میں منقسم رہے گا۔ اور برطانوی قوم ان ریاستوں سے متعلق اپنے
فرائض کی تکمیل کی غرض سے ہمیشہ کچھ بری اور بحری فوجیں رکھے گی۔ ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ
ایسے استدلال میں ذکاوت اور ذہانت کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ ایک تمثیل سے شروع ہوتا ہے
اور اس تمثیل کی تطبیق کے لئے حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے
کہ والیان ریاست اور تاج کے باہمی معاہدوں کی وہی حیثیت ہے جو عام افراد کے نجی معاہدوں
کی۔ سر لسلی اسکاٹ نے خود اپنے خطا کے ابتدائی حصہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حاکمیت کے بعض فرائض کو
تاج کے سپرد کر دینے کے بعد بھی والیان نے اس کی صفات کو اپنے لئے برقرار رکھا تھا۔ اور اسی
(حاکم کی) حیثیت سے انہوں نے دوسرے حاکموں سے معاملہ کیا، خواہ وہ دوسرا حاکم ایسٹ
انڈیا کمپنی ہو یا بادشاہ مع پارلیمنٹ۔

علاوہ اس کے یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ عام افراد کے درمیان ہر معاہدہ اس درجہ شخصی
نوعیت کا ہوتا ہے کہ اسے کوئی دوسرا پورا ہی نہیں کر سکتا۔ یہاں تو یہ ہے نہیں کہ معاہد فریقین
میں سے ایک دوسرے پر کوئی خاص اعتماد رکھتا ہو۔ یہ نام نہاد معاہدے بعض مخصوص حالات
کے زیر اثر کئے گئے تھے۔ اور کسی دوسری طاقت سے بھی بالکل دیسی یا اس نوعیت کے ہوتے اگر
وہ طاقت وہی حیثیت اختیار کر لیتی جو برطانیہ کی تھی۔ اس استدلال میں حکومت ہند کے مسلمہ
طرز عمل کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور قانونی تعلقات کی تعیین کرنے میں بنیادی اصولوں کا
ذکر چھیڑ کر اس اٹل اور ناقابل انکار حقیقت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے کہ کمپنی کے ابتدائی زمانہ سے
والیان ہند اور ان کی ریاستوں کے ساتھ حکومت ہند اور صرف حکومت ہند ہی نے معاملہ کیا ہے
اس استدلال میں ہندوستانی والیان ملک اور برطانوی قوم کے درمیان شخصی اعتماد کا عنصر بھی
داخل کیا گیا ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حکومتہائے
ہند حصوں نے ابتک ان اختیارات کا استعمال کیا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تاج نے منتقل

کئے گئے تھے۔ والیان ہند اور ان کی ریاستوں کے لئے قابل قبول نہیں، لیکن آیندہ کی حکومت ہند اگر وہ نوآبادیاتی طرز کی ہوئی تو نا قابل قبول ہوگی۔ صاف اور صریح الفاظ میں اسکا یہ مطلب ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حکومت ہائے ہند اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ ان کی ترکیب میں بہت بڑا غیر ملکی عنصر شامل تھا اور وہ ہندوستانی رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ نہ تھیں، اور آیندہ کی ذمہ دار حکومت ہند ان والیان ریاست کے لئے اس بنا پر قابل قبول نہ ہوگی کہ یہ خود اپنے اہل ملک پر مشتمل ہوگی، اور اپنے ہی ملک کے رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ لیکن اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے تو کیا اس دعوے کی کوئی سند ہے کہ جس معاہدے کو کارندہ پورا کر سکے اس میں کارندہ کا انتخاب اصل مالک کے بجائے معاہدہ کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہم نے یہ دکھایا ہے کہ اب تک "معاہدہ" جو گورے کارندوں نے پورا کیا ہے، وہ کالے راجاؤں اور نوابوں کے لئے پورے اطمینان کا باعث ہوا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ کس اصول قانون کی بنا پر وہ "معاہدہ" کالے کارندے کالے راجاؤں اور نوابوں کیلئے اگر زیادہ نہیں تو اسی قدر قابل اطمینان طریقہ پر پورا نہیں کر سکتے۔

ہمیں اب اس دلیل پر غور کرنا ہے کہ اگر کارندے کا مفاد اُسکے فرائض کے ادائگی کے متصادم ہو تو اصل مالک اپنے اختیارات اس کارندے کو تفویض نہیں کر سکتا ہے۔ یہاں بھی حقیقت کو پس پشت ڈالدیا گیا ہے۔ اس دلیل میں یہ واقعہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ تاج کا کارندہ یعنی موجودہ حکومت ہند ان صورتوں میں بھی برابر اپنا کام کرتی رہی ہے جبکہ اسکا مفاد اس کے فرض سے متصادم ہوتا تھا اور نہ تو اصل مالک کے کان پر جوں رینگی اور نہ کارندے اور نہ دیسی ریاستوں نے کوئی صدائے احتجاج بلند کی۔ سر لسلی اسکاٹ پھر فرماتے ہیں کہ جب "قانونی تعلق" "واضح ہو جائے" یعنی اس تعلق کی نسبت ان کا جو تصور ہے جب وہ واضح ہو جائے تو پھر ہندوستان کے دونوں حصوں میں باہمی ہم آہنگی سے کام چلانے کے لئے مناسب نظام مرتب ہو سکتا ہے۔ اور دیسی ریاستوں نے تو پہلے سے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ وہ اس قسم کی معقول تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار اور رضامند ہیں"۔ بالفاظ دیگر اگر سر لسلی اسکاٹ کا ذاتی معلومات اور ذاتی اعتماد والا نظریہ مان لیا گیا اور اس سے جو نتیجہ

نکلتا ہے کہ حکومت بالادست کا فرض ہے کہ اپنے معاہدوں کو پورا کرنے کے لئے ملک میں موجود رہے اگر اسے بھی تسلیم کر لیا گیا تو پھر والیان ملک معقول طریقہ پر برطانوی ہند کیساتھ آنے پر آمادہ اور رضامند ہیں اگر اس استدلال کو ایک مرتبہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے جو کوئی نظام بھی مرتب کیا جائے۔ ہندوستان کے لئے درجہ نوآبادیات کا سوال ہمیشہ کے لئے قلم زد ہو جاتا ہے۔ ہم نے تبلایا ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اور ہمیں واثق امید ہے کہ قانونی ذکاوت و ہوشیاری کو ملک کے وسیع تر اغراض پر غالب آنے کا موقع نہ دیا جائیگا اور دیسی والیان ملک کا جذبہ حب وطن اور تدبر اور ان کی رعایا کی روز افزوں وطن پرستی اور جب آزادی اسپر مرکوز ہوگی کہ ان کے اور ذمہ دار دولت مشترکہ ہند کے درمیان مسائل کے طے کرنے کے لئے ایک عملی نظام قائم ہو جائے نہ اسپر کہ قانونی تعلقات کا نظری سوال طے کیا جائے جس سے انکو کوئی فائدہ نہیں۔ اور جسمیں ایسے خطرناک امکانات مضمر ہیں جن کا نتیجہ سوائے بربادی اور بگاڑ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ باہمی تعلقات آپس کی رضامندی ہی سے طے ہو سکتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ابھی اسکے لئے بہت موقع باقی ہے۔ لیکن ہم اس سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے قدرتی اور جائز مطالبات کو ایسے پر ذہانت استدلالوں سے روکنے یا مسترد کرنے نہیں دیا جا سکتا جنکو واقعات موجودہ سے کوئی واسطہ نہیں۔

سرلسلی اسکاٹ کے خط میں مندرجہ ذیل ٹکڑے کا ہم خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

"اس معاملہ کے سیاسی پہلو کل ہندوستان کے مستقبل کے لئے اول درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں ان کے دانشمندانہ حل سے سرجان سائمن اور ان کے ساتھیوں کے اس کام کی کامیابی پر براہ راست اثر پڑے گا جو پارلیمنٹ نے برطانوی ہند کے آئینی کمیشن کو تفویض کیا ہے سامراجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ان والیان ملک سے اسوقت مدبرانہ سلوک سلطنت برطانوی کے ساتھ ہندوستان کے آیندہ رویہ میں نہایت موثر عنصر ثابت ہو سکتا ہے"

گویا ہندوستان کے باشندوں کی قسمت کا فیصلہ ان رایوں سے ہوگا جو بٹلر کمیٹی پس پردہ اور ہندوستانیوں کو اپنا معاملہ پیش کرنے کا موقع دیئے بغیر قائم کرے گی۔ اور سر جان سائمن اور ان کے ساتھی جنہیں خود ان "اول درجہ کی اہمیت رکھنے والے سیاسی امور" پر تصرف نہیں ہے اگر اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا چاہتے ہیں جو پارلیمنٹ نے ان کو تفویض کیا ہے۔ تو انہیں ان امور کے اس "دانشمندانہ حل" کی پیروی کرنی چاہئے جو بٹلر کمیٹی کرے۔ ہندوستان میں لوگ اس بات کو پہلے سے جانتے تھے اور متعدد مواقع پر اسکا صریح اعلان بھی ہوا اب ہم ٹھیک ٹھیک جان گئے کہ آئینی کمیشن کیا کرنے والا ہے۔ سر لسلی اسکاٹ نے ان معاملات کو بس ایک دانشمندانہ حل بتلایا ہے۔ اور وہ یہ کہ "برطانوی حکومت کو ہندوستان میں ان تمام بری و بحری افواج کے ساتھ رہنا چاہئے۔ جو اس کے فرائض کی بجا آوری کے لئے ضروری ہوں" ہم آئینی کمیشن کی سفارشات کی اس معتبر پیش خبری کے لئے سر لسلی اسکاٹ کے شکر گذار ہیں جس سے وہ رویہ بالکل حق بجانب ثابت ہوتا ہے جو ہندوستان کی تمام معروف جماعتوں نے اس کمیشن کی طرف اختیار کیا ہے۔

تاج برطانیہ اور ہندوستانی والیان ملک کے تعلقات کی نظری حیثیت کو چھوڑ کر ہم واقعی صورت حال کی طرف آتے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ بیان درست ہے کہ عملاً اور بطور امر واقعہ اپنی یا اپنی ریاست کے متعلق تمام معاملات میں ہندوستانی والیان ملک کو براہ راست حکومت ہند سے واسطہ پڑتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حکومت ہند کا معتمد سیاسی (پولیٹیکل سکرٹری) ہندوستانی ریاستوں پر وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ حکومت ہند کا رکن ہوئے بغیر یہ عملاً ایک رکن کے تمام کام انجام دیتا ہے کیونکہ قلمدان سیاسی کے لئے کوئی علیحدہ رکن نہیں ہوتا اور کہا جاتا ہے کہ محکمہ سیاسی براہ راست گورنر جنرل کے زیر نگرانی ہے موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اگر محکمہ سیاسی (پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کسی ہندوستانی ریاست یا والی ملک کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کر دے تو اس کے لئے صرف ایک چارہ ہے۔ اور وہ بعض حالتوں

ہیں اور بعض پابندیوں کے ساتھ وزیر ہند کی خدمت میں مرافعہ۔ ہم واقف ہیں کہ موجودہ حالات میں اسے ایک قیمتی حق سمجھا جاتا ہے لیکن غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ہندوستان کے اندر جو ضابطہ برتا جاتا ہے۔ وہ بہت ہی غیر اطمینان بخش ہے لیکن ظاہر ہے کہ جس مقدمہ کی سماعت پہلے سے ٹھیک نہ ہوئی ہو۔ ایسی مرافعہ کا حق کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ آئندہ اسکے بجائے مناسب دستوری دفعات رکھے جا سکتے ہیں۔

معمولی طور پر جن معاملات میں دیسی ریاستوں کو حکومت ہند سے واسطہ پڑتا ہے یا مخالفت ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ سائر، آبکاری، اخراج، ریلیں، ڈاک خانے، بندرگاہ۔ ان کے علاوہ تحفظ اور مدافعت کے وسیع تر مشترک مفاد ہیں ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان معاملات میں ریاستوں کی شکایتوں کی نوعیت سے بحث کریں۔ ہم صرف اس حقیقت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ذمہ دار والیان ملک اور دیسی ریاستوں کے وزراء نے وقتاً فوقتاً اپنی آواز حکومت ہند کے اس رویہ کے خلاف بلند کی ہے جسے یہ غیر منصفانہ بتلاتے ہیں۔ یہ شکایات کہاں تک رفع ہو سکتی ہیں اور ان کے رفع کرنے کی بہترین صورت کیا ہے۔ ایسے سوالات ہیں جو تحقیق اور باہمی مشورے سے طے ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ان کے تصفیہ کو حکومت ہند کے موجودہ دستور اساسی کے برقرار رہنے سے یا محض ان معاملات کے تصفیہ کے لئے ایک بے تعلق اور جداگانہ نظام کے قیام سے کوئی لازمی تعلق نہیں۔ ہم اس مسئلہ کی تفصیل میں اسوقت صرف اسلئے نہیں پڑتے کہ پچھلے چند ماہ میں جو تجویز تیار ہوتی رہی ہے اس کے متعلق ابتک پبلک کو کافی علم حاصل نہیں کرنے دیا گیا ہے لیکن دیسی ریاستوں کے وکیل سر لسلی اسکاٹ نے انگلستان جانے سے قبل جو بیانات دئے ہیں ان سے نتیجہ نکالنا اگر جائز ہے تو ہم لوگوں کو اس کوشش سے متنبہ کر دینا چاہتے ہیں جو گورنر جنرل کے ساتھ کام کرنے کے لئے دیسی ریاستوں کی علیحدہ کونسل کو وجود میں لاکر ایک دوسرے نظام کے قیام کے لئے کی جا رہی ہے۔ علاوہ اسکے کہ یہ ایک بوجھل بھدی چیز ہوگی اس کے جداگانہ وجود سے برطانوی ہند یا آئندہ دولت مشترکہ کی حکومت کے ساتھ تنازعات کے حل

کرنے کی ضمانت بھی نہیں ہوتی ہیں تو یہ تجویز نظام دو عملی (Diarchy) کی ایک مضرت
رساں توسیع نظر آتی ہے جس میں اس نظام کی تمام بے ربطیاں، دشواریاں اور آئینی مشکلات
موجود ہیں

سر ملکم ہیلی نے اپنی اس تقریر میں جسکا ہم ذکر کر چکے ہیں کسی نہ کسی قسم کی ریاست متحدہ کا
ذکر کیا تھا۔ اور اس میں ذرا شک نہیں کہ اسی قسم کا خیال سر لسلی اسکاٹ کے ذہن میں بھی ہے لیکن اگر
ہندوستان کا دستور اتحادی اصول ہی پر بنے، جیسا کہ ہمارے خیال میں ضرور بن سکتا ہے
تو پھر اس اتحاد میں ہندوستانی ریاستوں کی حیثیت کو قطعی طور پر متعین کرنے کی بہت ضرورت ہے
اور اس کے متعلق خیالات میں وضاحت درکار ہے۔ کیا ہندوستانی ریاستیں ایک حقیقی اتحاد
میں شامل ہونے کے لئے تیار اور رضامند ہیں؟ ہم یہ سوال اس لئے کرتے ہیں کہ ہمارا یقین ہے
کہ جس راہ پر والیان ملک اور سر لسلی اسکاٹ چل رہے ہیں وہ معروف معنوں میں تو کسی قسم کی اتحادی
ریاست کی طرف نہیں لے جاسکتی۔ پروفیسر نیوٹن کا قول ہے کہ "اتحادی ریاست بہت سی حاکم ریاستوں
کے دائمی اتحاد کو کہتے ہیں جو مبنی ہوتا ہے اولاً تو ان ریاستوں کے درمیان باہمی معاہدہ پر، یا اس
حیثیت پر جو ان میں تاریخی اعتبار سے مشترک ہو اور ثانیاً اس پر کہ ان کے شہری ایک اتحادی
دستور کو قبول کرلیں۔ مرکزی حکومت فقط متحدہ ریاستوں ہی پر اثر نہیں رکھتی۔ بلکہ براہ راست انکے
شہریوں پر بھی متحدہ ریاستوں کی اپنی اپنی داخلی اور خارجی حاکمیت اعلیٰ ہیں اس سے نقص پیدا ہوتا
ہے۔ اور اکثر بین الاقوامی رشتے صرف حکومت متحدہ ہی قائم کرتی ہے" ہماری رائے میں یہ تو بالکل
ہی یک طرفہ انتظام ہوگا کہ ہندوستانی ریاستیں اتحاد میں اسطرح شامل ہونا چاہیں کہ اپنی
رائے سے اور کسی طرح ہندوستانی قوت قانون سازی کی سیاست و آئین سازی پر تو اثر ڈال لیں
لیکن اس میں جو مشترک قوانین بنیں ان کے اثر سے آزاد رہیں۔ یہ تو اتحادی ریاست کے تخیل کا
مذاق اڑانا ہے۔ اگر ہندوستانی ریاستیں اتحادی تصور کے تمام نتائج کو اچھی طرح سمجھکر
ایسے اتحاد میں شامل ہونے کو آمادہ ہیں تو ہم ان کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کریں گے اور انکے

حقوق کے تحفظ کے لئے جو کچھ ہمارے بس میں ہوگا کریں گے لیکن یہ بات صاف طور پر ذہن میں رکھنی چاہئیے کہ اس فیصلہ کی وجہ سے یہ ضروری ہوگا کہ ان کے علاقوں میں جو طریق حکومت اور انتظام ملکی رائج ہے ان میں مختلف جگہ مختلف درجہ کی تبدیلیاں کی جائیں ہمیں امید ہے کہ تجربہ کی روشنی میں ہندوستانی ریاستیں بالآخر باضابطہ طور پر اس اتحاد میں شرکت پر آمادہ ہو جائیں گی۔ اس اثنا میں ہمارا خیال ہے کہ انتظامی اور دیگر امور کے متعلق باہمی اختلافات کو طے کرنے کے لئے مناسب نظام کا قائم کرنا کسیطرح ناقابل عمل نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں ان کے معاہدہ کے حقوق اور جو کچھ خود مختاری انہیں حاصل رہی ہے یا جس کے وہ مدعی ہیں ان کو محفوظ رکھنے کا عملی مسئلہ اس سوال پر خشک علمی بحث سے کہیں اہم تر ہے کہ آیا نظری حیثیت سے ان کے تعلقات حکومت ہند سے ہیں یا تاج برطانیہ سے۔

ہماری سفارشات | چنانچہ ہمنے یہی قرار دیا ہے کہ (ا) تمام وہ معاہدے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان یا اس کے بعد ہوئے تھے اور جو اس قانون کے نفاذ کے وقت برقرار ہیں۔ دولت مشترکہ ہند بھی ان کی پابند ہوگی۔ (ب) دولت مشترکہ ہند کو ہندوستانی ریاستوں پر سب وہ حقوق حاصل ہوں گے۔ اور ان کے متعلق سب وہ فرائض اسپر عائد ہوں گے۔ جو اس قانون کے نفاذ کے وقت حکومت ہند کو حاصل یا اسپر عاید تھے۔ ہم نے یہ سفارشیں کوئی شیخی یا تخیل پرستی کی وجہ سے نہیں کی ہیں۔ ہم ان کے نتائج کو خوب سمجھتے ہیں اور ان فرائض کو بھی خوب جانتے ہیں جو ان کی وجہ سے آیندہ حکومت پر عاید ہوں گے ہمیں پورا الیقین ہے کہ مستقبل کی حکومت اپنے فرائض کو نہایت دیانتداری سے پورا کرے گی۔ یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہر طرح متمنی ہوگی اور جتنے حقوق یا جذبات کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہے گی۔ اسی طرح جن معاملات میں عدالتی کارروائی ممکن ہے۔ ان میں ہم نے تجویز پیش کی ہے کہ اگر دولت مشترکہ ہند اور کسی دیسی ریاست میں ان معاملات کی بابتہ اختلاف ہو جو معاہدوں، صلحناموں، سندوں یا اس قسم کے دستاویزوں سے پیدا ہوتے ہیں تو گورنر جنرل باجلاس کونسل متعلق ریاست کی رضامندی

سے معاملہ فیصلہ کے لئے عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کے سامنے بھیج سکتا ہے"۔ ہمارے
خیال میں ایسے معاملات کو طے کرنے کا یہ طریقہ موجودہ طریق سے کہیں بہتر ہوگا کہ اس میں تو
حکومت ہند اپنے اور دیسی ریاستوں کے درمیان تنازعات میں خود ہی فریق ہوتی ہے اور
خود ہی منصف اس کے کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ اس عدالت عالیہ (سپریم
کورٹ) کے جج اعلیٰ ترین قانونی قابلیت، بہترین سیرت اور عدالتی دیانت و بے لوثی کی صفات
سے متصف ہوں گے۔

جن امور میں عدالتی کارروائی ممکن نہیں اور جن میں مالی یا انتظامی معاملات کا تصفیہ کرنا
ہوتا ہے۔ ان میں باہمی مشوروں اور سمجھوتوں سے معاملات کو طے کر لینا چنداں مشکل نہ ہونا چاہیئے۔
ہمارے خیال میں تو آیندہ صورت حال موجودہ سے بری نہ ہوگی بلکہ واقعی یہ گمان ہے کہ جہاں مختلف
ریاستوں میں دیانتداری سے اختلاف ہونگے اور منصفانہ اور عادلانہ تصفیہ کی غیر جانبدارانہ کوشش کرنی
ہوگی۔ وہاں تو یہ انتظام بہتر ہوگا۔ عملی نیک نیتی اور وسیع تر مشترک اغراض آخری حکم کے متعلق موشگافیوں سے
کہیں زیادہ اہم ہیں۔ ہمیں یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مشترکہ تحفظ کا مسئلہ حکومت ہند اور دیسی ریاستوں
میں ضرور مرکز اتحاد بنے گا۔ اور اگر ماضی میں یہ بات ممکن تھی کہ مشترک فرائض کو قائم اور بہ حیثیت
مجموعی ملک کی طرف احساس فرض کو برقرار رکھا جائے تو ہمیں مستقبل کے متعلق مایوسی نہیں ہے۔

یہ ملاحظات کرتے ہوئے ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ہمیں والیان ملک کے نمائندوں سے بحث
و مشورہ کا موقع نہیں ملا ہے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ایسے بحث و مشورہ سے کل مسئلہ کے
بعض تاریک گوشوں پر بہت کچھ روشنی پڑنے کا امکان ہے لیکن فی الحال ہم یہ کہنے پر قناعت کرتے
ہیں کہ گو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ چونکہ دولت متحدہ ہند میں تمام اجزا کو خواہ وہ صوبے ہوں یا ریاستیں
زیادہ سے زیادہ آزادی مل سکتی ہے اس لیے صرف یہی ذمہ دار حکومت کی مضبوط بنیاد بن سکتی ہے
تاہم ہم یہ ماننے پر تیار نہیں کہ جب تک ہندوستانی ریاستیں نہایت باضابطہ طور پر اس میں شامل
ہونے کے لئے راضی نہ ہو جائیں اسوقت تک برطانوی ہند کو کامل ذمہ دار حکومت یا درجہ نوآبادیات

سے محروم رکھا جائے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ سمجھا جاتا ہے کہ تاج برطانیہ یا موجودہ حکومت ہند پر جو فرائض ہندوستانی ریاستوں کے متعلق عائد ہوتے ہیں انھیں صرف ایک ایسی مرکزی حکومت ادا کر سکتی ہے جو غیر جمہوری ہو۔ اور اسی لئے اسے لازمًا غیر جمہوری رہنا بھی چاہیئے۔ اس استدلال کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ گو ہندوستانی ریاستیں برطانوی ہند کی ترقی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں لیکن دراصل وہ ہمارے مقاصد اور آرزوؤں کو ایک ایسے رویہ سے عملاً شکست دینا چاہتی ہیں جس کی بنیاد سمجھدار خود غرضی پر بھی نہیں بلکہ ہمارے مقاصد و مطالبات سے عملی مخالفت پر ہے۔

گو ہم والیان ملک کیساتھ باہمی مشورہ و بحث سے مستفید نہ ہو سکے لیکن ان کی رعایا کی نمایندگی آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے ہوئی اور اُنھوں نے اپنے معاملہ کو قابلیت کیساتھ پیش کیا۔ کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے جو سفارشیں دیسی ریاستوں کے متعلق کی تھیں ان پر مسٹر ہوساکوٹا کرشن راؤ رکن مجلس نمایندگان ریاست میسور نے نہایت سختی سے نکتہ چینی کی ہے انھوں نے سوراج کا ایک دستور بھی تیار فرمایا ہے جسے ریاستوں کی رعایا کی آل انڈیا کانفرنس' مدراس' کی مقرر کردہ کمیٹی نے بھی منظور کیا ہے۔ ہمنے مسٹر کرشن راؤ کی تنقید اور ان کے دستور سوراج کے مسودہ پر کافی غور کیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس دستوری مسلک کی وجہ سے جس پر ہم نے اوپر بحث کی ہے ہم اس وقت ایک ایسے مفصل دستور کے پیش کرنے سے قاصر ہیں جو برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں دونوں پر حاوی ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اصطلاح "ہندوستانی ریاستیں" حکومت کی کسی خاص قسم پر دلالت نہیں کرتی۔ آئینی اصلاحات کی رپورٹ کے مصنفین نے ان ریاستوں کے متعلق یوں لکھا ہے۔

"یہ ترقی کے ہر درجہ میں پائی جاتی ہیں کہیں ریاست قبائلی کہیں منصب داری کہیں اس سے کچھ ترقی یافتہ اور بعض بعض میں تو نیابتی اداروں کی ابتدا بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن ان سب کی خصوصیت امتیازی (اور ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ بھی شامل ہیں) والی ریاست کی شخصی حکومت اور قانون سازی

اور انتظام عدالت پولیس کا تصرف ہو"۔

جب تک شخصی حکومت کی اس امتیازی خصوصیت میں معتد بہ تبدیلی نہیں ہوتی اسوقت تک اصطلاح "ہندوستانی ریاست" سے مراد لازماً "متعلقہ ریاست کے انفرادی حکمراں" سے لی جائے گی۔ اور اسے انتظام ریاست کی نوعیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ معتد بہ تبدیلی دستوری طریق پر بلا ان ریاستوں کے حکمرانوں کی مرضی کے عمل میں نہیں آسکتی کہ صرف یہی اپنی حکومت کی نیابت کرتے ہیں۔ مسٹر راؤ فرماتے ہیں کہ "روایات، رسم، جذبات، اور ان سب سے زیادہ وفاداری کا شدید احساس جو اسقدر گہرا ہے کہ مٹایا نہیں جاسکتا اور آخر میں اپنی اپنی ریاستوں کی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھنے کی قوی خواہش ان کو (یعنی ریاستوں کے باشندوں کو) حکمراں خاندانوں کیساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے" لیکن باوجود ان روایات، رسم، اور جذبات کے مسٹر راؤ انکی خواہشات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اور ان سے اور ملک معظم یا دولت متحدہ کی پارلیمنٹ، یا بادشاہ باجلاس کونسل، یا وزیر ہند، یا گورنر جنرل باجلاس کونسل، یا ان سب سے جو صلحنامہ یا معاہدے ہیں انھیں بالکل مٹا دیتے ہیں اور ایک جنبش قلم سے اعلان کر دیتے ہیں کہ یہ تمام صلحنامے اور معاہدے دستور جدید کے آغاز سے کالعدم سمجھے جائیں گے۔ پھر یہ ایسی شرائط کے ماتحت جنہیں ریاستوں نے تسلیم ہی نہیں کیا ہے، ان کے لئے تحفظ حدود، اندرونی خود مختاری، دستور کی پائیداری اور ان کی رعایا کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہیں، انھوں نے جو شرائط رکھی ہیں اگر ریاستیں انھیں پورا نہ کریں تو ان کی رائے ہے کہ یہ ضمانتیں ہٹالی جائیں ہمیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اگر ریاستوں کے حکمراں ان ضمانتوں یا ان شرائط کو منظور نہ کریں تو کیا ہوگا، اور وہ "ضروری کارروائیاں" کیا ہیں جو ان شرائط کو پورا نہ کرنے کی صورت میں مسٹر راؤ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک طریق حکومت کا تعلق ہے یہ "موروثی شاہی حکومت ہوگی یعنی ایسی حکومت جس میں ریاست کا سردار ایک موروثی حاکم یا منتظم ہوگا اس کیساتھ ایک عمومی مجلس ہوگی اور قوت عاملہ اس مجلس کے سامنے جوابدہ ہوگی آخر میں یہ دولت متحدہ کے باشندوں کے اس حق کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر مجوزہ دستور

کی بنیاد پر برطانیہ اور حکومت ہند سے معاملہ طے نہ ہو سکے تو وہ کامل قومی آزادی کا مطالبہ کردیں (یعنی برطانیہ عظمی اور برطانوی دولت مشترکہ اقوام سے تمام سیاسی، معاشی اور معاشرتی تعلقات بلا شرط منقطع کرلیں) اور کامل اتحادی جمہوری بنیاد پر اپنا آیندہ دستور بنائیں۔

ان دفعات کی بے ربطیوں کو ظاہر کرنا یا دستوری وجوہ سے اس پر تنقید کرنا غیر ضروری ہے اور متذکرہ بالا وجوہ کی بنا پر ہم ان حدود سے باہر نہیں جانا چاہتے۔

سیاست خارجہ | ہمنے اب تک حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے تعلقات سے بحث کی ہے۔ اب ہم حکومت ہند اور پردیسی ریاستوں کے تعلقات کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ایک معنی کر حکومت ہند کی حالت دوسری نوآبادیوں کے مقابلہ میں ذرا نرالی ہے۔ شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہندوستان کی نہایت وسیع سرحدیں ہیں اور اسے دول خارجہ اور نیم خود مختار قبائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ حکومت ہند کا محکمہ سیاسی عملاً معتمد خارجہ (فارین سکرٹری) کے زیر اثر ہے جو براہ راست گورنر جنرل کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ اس کے فرائض گوناگوں ہیں اسے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، "اجنبی علاقوں" کے قبائل کے معاملات اسکے قبضہ میں ہیں، اسے شمال مغربی صوبہ میں اور اور جگہ نیم خود مختار سرداروں سے سابقہ پڑتا ہے بعض معاملات میں اس کا حلقۂ اثر خلیج فارس اور عدن تک پہونچتا ہے۔ اس کے حلقۂ اثر کے بعض معاملات سب نہیں کبھی کبھی بحث کے لئے مجلس قانون ساز کے سامنے آتے ہیں۔ اور اسوقت اسے حکومت ہند کے طرز عمل کی موافقت یا اس کی تشریح کرنی ہوتی ہے، سیاست عملی کے وسیع تر مسائل جنھیں سامراجی حیثیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں طے پاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جہانتک نوآبادیوں کی خود مختاری میں خلل نہ پڑے، سیاست خارجہ میں کم از کم ایک حد تک تو یکسانیت ہونی چاہئے۔ لیکن یہ یکسانیت جہاں تک نوآبادیوں کا تعلق ہے شاہی فرامین سے اسقدر حاصل نہیں ہوتی جتنی کہ باہمی مشاورت اور سمجھوتہ سے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیاست خارجہ کے مسائل میں پچھلے سالوں میں کنیڈا، جنوبی افریقہ، اسٹریلیا نے جس آزادی کا مطالبہ کیا ہے

اور جو انھیں حاصل رہی ہے اس میں برابر اضافہ ہوتا گیا ہے۔ اگر یہ اس سے سلطنت کے تحفظ میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ نہ پردیسی ممالک اور ریاستوں سے تعلقات کے وسیع تر مسائل میں اتحاد سیاست کے امکانات میں کمی ہوئی۔

واقعہ یوں ہے کہ حکومت ہندان فرائض کو ادا کرتی اور پورا کراتی ہے جو ملک معظم کی حکومت اور پڑوس کی بعض پردیسی ایشیائی طاقتوں پر باہم عاید ہوتے ہیں ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہندوستان کی خود مختار مملکت اس سے کم کام کیوں انجام دے۔

ہم سیاست خارجہ کے مسائل کی نزاکت سے خوب واقف ہیں۔ اور مجلس قانون ساز میں بعض وقت ان پر مباحثہ کے خلافِ مصلحت ہونے کو بھی جانتے ہیں، لیکن ہمیں کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ مملکت ہند کی مجلس قانون ساز احتیاط و اختیار تمیزی کے ان قواعد کو ملحوظ نہ رکھے گی جو دوسری مجالس ملحوظ رکھتی ہیں۔

باب ششم

دوسری تجاویز

اب ہم اس دستور اساسی کے خاص خاص دفعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو ہم نے پیش کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، یہ دفعات نوآبادیات کے نمونہ پر مرتب کئے گئے ہیں۔

اعلان حقوق | مدراس کانگریس کی قرارداد نے یہ طے کیا ہے کہ اس دستور اساسی کی اساس بنیادی حقوق کے ایک اعلان پر رکھی جانی چاہیئے۔ اس بات پر بہت کچھ زور دیا گیا ہے۔ اور دستور اساسی کے جو مسودے ہمارے سامنے آئے ہیں ان سب میں اس قسم کا اعلان شامل کیا گیا ہے۔ کنیڈا، اسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے دستور اساسی میں کوئی اعلان حقوق نہیں ہے۔ لیکن حکومت آزاد آئرلینڈ کے دستور میں متعدد دفعات ایسے ہیں جنھیں جائز طور پر "بنیادی حقوق" کے عام عنوان کے ماتحت رکھا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ آئرلینڈ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں عہدنامہ (آزادی) سے پہلے حالات ہندوستان کی موجودہ حالت سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ آئرلینڈ کے باشندوں کا باشندگان ہند کی طرح سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ ان بنیادی حقوق کو محفوظ کرلیں جن سے انہیں محروم رکھا گیا ہے۔ دوسری نوآبادیاں تو سابقہ برطانوی بستیوں سے ترقی کرکے آگے بڑھی ہیں۔ جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ انگریزی قانون بھی لے گئی تھیں۔ صرف آئرلینڈ کو اس کی مرضی کے خلاف حاصل کیا گیا تھا اور انگلستان کے زیر حکومت رکھا گیا تھا اس لئے اسکا مرتبۂ نوآبادی (ڈومینین) حاصل کرنا دونوں قوموں کے درمیان معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی دستوری حیثیت بہت کچھ ایسی ہی ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کا محکوم ہے۔ اس حیثیت میں تبدیلی صرف دو صورتوں سے ممکن ہوسکتی ہے

جبر یا قوت سے یا باہمی مفاہمت اور سمجھوتہ سے۔ موخر الذکر طریقہ کے سلسلہ ہی میں ہمیں ہندوستانی دستور اساسی کے اصول پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنے میں ظاہر ہے کہ ہماری پہلی توجہ اسپر ہونی چاہئے کہ اپنے بنیادی حقوق کی اس طرح ضمانت کرالیں کہ کسی حالت میں بھی ان کے واپس لئے جانے کا احتمال نہ رہے۔ غالباً ان سے کم معقول وجہ کی بنا پر یورپ کے اکثر جدید تر دستور ہائے اساسی میں لوگوں کے ایسے حقوق کو محفوظ کرنے کے لئے علیحدہ دفعات رکھے گئے ہیں۔

اعلان حقوق کو اس درجہ اہمیت حاصل ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے اس ملک میں فرقہ وارانہ اختلافات موجود ہیں جو لوگ ایک دوسرے کو بے اعتمادی اور شبہہ کی نظر سے دیکھتے ہیں ان میں اطمینان پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے بعض ضمانتوں اور حفاظتوں کی ضرورت ہے۔ ہم تمام قوموں کے مذہبی اور فرقہ وارانہ حقوق کی حفاظت اس سے بہتر طریق پر نہیں کرسکتے تھے کہ انہیں دستور اساسی کے بنیادی اصولوں میں شامل کردیں۔

جو اعلان حقوق ہمنے تجویز کیا ہے۔ اسکے مختلف دفعات کو دیکھنے سے ظاہر ہوجائے گا کہ ہمنے ان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔

حقیت آراضی کا تعین | آل پارٹیز کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے اس سوال پر کافی غور کیا تھا۔ اور ہمنے ان کی اکثر سفارشات کو (اپنے اعلان میں) شامل کرلیا ہے۔ اس اعلان میں ہم نے مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے متعلق پہلی کمیٹی کی ایک مستقل سفارش کا اضافہ کردیا ہے بہ استثناء اس سفارش کے کہ "پارلیمنٹ ایسے قوانین بنائے گی جس سے زرعی اسامیوں کے لئے ایک جائز شرح لگان اور مستقل حقیت آراضی کا تحفظ ہوجائے" ہم نے اس سفارش کو اس لئے نہیں چھوڑ دیا ہے کہ ہم استعمال آراضی کے مستقل حق کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ ہمنے محسوس کیا کہ اگر اسے بنیادی حق بنادیا گیا۔ تو یہ اسامیوں کے لئے بجائے تحفظ کے انکی آیندہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگا۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں حقوق استعمال اراضی کا موجودہ نظام کسی طرح

بھی پسندیدہ نہیں اور یہ نہایت بنیادی تبدیلیوں کا محتاج ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسامیوں کی موجودہ حالت نہایت افسوسناک ہے۔ اور اگر حقوق استعمال اراضی کو تھوڑا بہت بھی مستقل کر دیا جائے تو انھیں بہت کچھ اطمینان ہو جائیگا۔ لیکن یہ بڑی کوتاہ اندیشی ہو گی اگر اس تھوڑی سی سہولت کو حاصل کرنے کے لئے ہم کسانوں کے آیندہ حقوق کو بیچ ڈالیں۔ جب تک موجودہ نظام قائم ہے اسوقت تک اسامیوں کے حقوق کی حفاظت "اعلان حقوق" کے اس دفعہ سے ہو سکتی ہے جس میں پارلیمنٹ کا مطالبہ کیا گیا ہے یعنی ایک ہندوستانی پارلیمنٹ ہو گی جسکا فرض ہو گا کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے کہ ہر کام کرنے والے کے لئے کم سے کم قوت لایموت کی تو ضمانت ہو سکے۔

سڑکوں وغیرہ کے استعمال کا حق | اس اعلان میں ہم نے ایک دفعہ کا اور اضافہ کیا ہے۔ جو تمام شہریوں کے شاہراہوں، عام کنووں، اور دوسرے اجتماع عام کے مقامات پر جا سکنے اور ان کے استعمال کرنے کے حق سے متعلق ہے۔ یہ ایک بدیہی سی بات معلوم ہوتی ہے تاہم ان خاص حالات اور رسوم کا خیال کرتے ہوئے جو ملک کے بعض حصوں میں رائج ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اسپر زور دینا مناسب ہو گا۔

مدارس میں ذات کی کوئی تفریق نہ ہوگی | بعض دوسرے دفعات میں کچھ ترمیمیں اور اضافے کئے گئے ہیں۔ بلا معاوضہ ابتدائی تعلیم کے حق والی دفعہ میں ہم نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ "جن اداروں کو حکومت چلاتی ہو یا مدد دیتی ہو ان میں داخلے کے لئے ذات یا مذہب کی تفریق نہیں کی جائے گی"۔

"Habeas Corpus" | گرفتاری کی صورتیں تحقیقات عدالتی کے مطالبہ کے حق میں ہم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر مرکزی مجلس قانون ساز کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو جنگ یا بغاوت کے زمانہ میں سلطنت کی قوت عاملہ کو اختیار رہو گا کہ کچھ عرصہ کے لئے اس حق کو سلب کرے۔ لیکن جلد سے جلد اس کی اطلاع مرکزی مجلس قانون ساز کو ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ اسپر جو کارروائی مناسب سمجھے کرے۔

کرپان | اپنے ساتھی سردار منگل سنگھ کی درخواست پر ہم نے اعلان حقوق میں ایک نوٹ کا اضافہ کیا ہے جس میں سکھوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ہر موقع پر کرپان لگا سکتے ہیں۔

قانون ساز مجالس | ہماری رائے ہے کہ مرکزی مجلس قانون ساز دو ایوانوں پر مشتمل ہو ایک سینیٹ

اور ایک دارالمندوبین (House of Representatives) — صوبوں کی قانون ساز مجالس کا ہماری رائے میں صرف ایک ایوان ہونا چاہئے۔

اراکین کی تعداد | سینیٹ کے لئے ہم ۲۰۰ اراکین کی سفارش کرتے ہیں اور دارالمندوبین کے لئے ۵۰۰ اراکین کی اس شرط کے ساتھ کہ اگر ضرورت ہو تو یکساں طور پر آبادی کے اعتبار سے اس تعداد میں اضافہ ہو سکے۔ صوبوں میں عموماً ہر ایک لاکھ کی آبادی پر ایک رکن ہونا چاہئے لیکن جس صوبہ میں ایک کروڑ سے کم آبادی ہو اس میں زیادہ سے زیادہ ایک سو اراکین کی تعداد ہو سکتی ہے۔

حق رائے دہندگی | دارالمندوبین اور صوبہ کی کونسلوں کے لئے ہماری رائے ہے کہ جس قدر وسیع پیمانہ پر حق رائے دہندگی دینا ممکن ہو دیا جائے ہم میں سے بعض اس تجویز کے بہت زیادہ موافق تھے کہ تمام بالغ اشخاص کو حق رائے ہو لیکن بعض کا خیال تھا کہ اگرچہ منزل مقصود اسی کو قرار دیا جائے کہ تمام بالغ اشخاص رائے دے سکیں تاہم شروع شروع میں اس میں بہت زیادہ عملی دشواریاں ہوں گی۔ تمام بالغوں کو حق رائے دینے کے علاوہ اور بہت سی تجاویز پر غور کیا گیا جنہیں مندرجہ ذیل تجاویز شامل تھیں۔

(۱) تمام بالغوں کو حق رائے دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جو رائے دینے کا ارادہ رکھتا ہو وہ پہلے سے اپنا نام رائے دہندوں کی فہرست میں درج کرائے۔

(۲) رائے دہندوں کی موجودہ ۶۰ لاکھ کی تعداد کو بڑھا کر تقریباً ۲ کروڑ کر دیا جائے اور ان شرائط کا تعین جن سے رائے دہندوں کی تعداد اتنی بڑھ سکے ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

(۳) ذیل کے اشخاص میں سے جو چاہے رائے دے سکے۔

(۱) سب وہ اشخاص جو مالگذاری، لگان، زمین یا مکان کا کرایہ یا ٹیکس ادا کرتے ہوں۔

(ب) تمام خواندہ اشخاص۔
(ج) تمام وہ اشخاص جو جسمانی یا ذہنی کام سے روزی کماتے ہوں۔
(د) تمام ایسے بیکار لوگ جنکا نام سرکاری رجسٹر بیکاران میں درج ہو۔
(ہ) مشترکہ خاندانوں کے اراکین۔
(و) مرد رائے دہندوں کی بیویاں۔

مندرجہ بالا تجاویز میں سے تیسری تجویز تو عملاً تمام بالغوں کو حق رائے دینے کے برابر ہو جاتی ہے۔ ہم میں سے بعض دوسری تجویز کے موافق تھے کہ رائے دہندوں کی تعداد ۲ کروڑ کر دی جائے۔ اور یہ تمام بالغوں کو حق رائے دینے کی راہ میں پہلا قدم ہو۔ تمام بالغوں کو حق رائے دیا جائے تو غالباً برطانوی ہند میں ۱۱ کروڑ رائے دینے والے ہوں گے۔ اس طرح دوسری تجویز سے ان میں سے نصف کو حق رائے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ترقی کیطرف ایک بڑا قدم ہے۔ لیکن اس تجویز کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں آج کل مختلف مذہبی جماعتوں میں رائے دینے والوں کے اعتبار سے وہ نسبت نہیں ہے جو ان کی آبادیوں میں ہے۔ مثلاً پنجاب میں مسلمان ہندوں اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہیں تاہم ان کے رائے دہندوں کی تعداد ہندو اور سکھ رائے دہندوں سے بہت کم ہے۔ یہ موخرالذکر کی بہتر اقتصادی اور معاشی حالت کی وجہ سے ہے۔ ہم زور کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ تباین ختم کر دینا چاہیئے۔ اور رائے دینے والوں کا وہی تناسب ہونا چاہئے۔ جو آبادی کا ہے۔ سب بالغوں کو حق رائے دیدیا جائے تو ایسا خود بخود ہو جائے گا۔ لیکن اگر حق رائے کو کسی طرح محدود کر دیا گیا تو پھر اس غرض کے لئے صرف یہی ایک ممکن طریقہ ہے کہ مختلف جماعتوں اور گروہوں کے لئے رائے دہندگی کے مختلف شرائط مقرر کئے جائیں۔ اسطرح مختلف جماعتوں کی نمایندگی کی بنیاد یکساں نہ رہے گی۔ اور اس پر بعض گروہ شکایت کر سکیں گے اسلیئے ہمیں اس نتیجہ پر پہونچنا پڑا کہ مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ سب بالغ لوگوں کو حق رائے حاصل ہو

چنانچہ ہمنے اس کی سفارش بھی کی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سیلون میں اصلاحات کا کمیشن بھی اسی نتیجہ پر پہونچا ہے۔ اس نے بالغ مردوں کے لئے عام حق رائے کی سفارش کی ہے۔ اور عورتوں میں یہ حق صرف ان تک محدود کر دیا ہے جن کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ ہو۔ یہ حد اس لئے لگائی ہے کہ آرار کی تعداد کو معقول حدود کے اندر رکھنے کی ضرورت تھی" ہمیں اس قسم کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ کسی جمہوری دستور اساسی میں رائے دینے کے حق پر ہر مصنوعی پابندی خود جمہوریت پر ایک ناواجب پابندی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ سب بالغوں کو حق رائے دینے میں عملی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لیکن یہ دشواری چاہے کسی قدر بڑی ہو ہمیں اس کا سامنا کرنا ہے اگر ہمارا مقصود ہے صحیح معنوں میں ہی کامل ذمہ دار حکومت مع اس کے تمام لوازم اور اثرات کے۔ سیلون کے اصلاحی کمیشن نے حکومت کی ایک نرالی شکل پیدا کر دی ہے جس کی مثال دنیا کے دستور ہائے اساسی میں کہیں نہیں ملتی، لیکن یہ حکومت اور جو چاہے ہو۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ذمہ دار حکومت تو کسی معنی میں نہیں اور ہمیں جس چیز سے واسطہ ہے وہ ذمہ دار حکومت ہی ہے۔ لہذا ہم عورتوں کے حقوق پر کوئی ایسی پابندی عائد کرنا نہیں چاہتے جو اسی طرح مردوں پر بھی عائد نہ ہو۔

سب بالغوں کے عام حق رائے پر شرومنی گرودوارہ پرابندھک کمیٹی کے انتخابات میں کامیابی کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔ اور یہ انتخابات تمام پنجاب میں ہوتے ہیں۔ زیادہ وسیع پیمانہ پر اسکو رائج کرنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ کام کرنے کے نظام کو اور بڑھا دیا جائے۔ ہم کوئی وجہ نہیں پاتے کہ باوجود ان تمام دشواریوں اور مصارف کے جو اس توسیع کے ساتھ لازم ہیں، اس تجویز کو ناواجب کیوں سمجھا جائے جبکہ یہ اس بنیاد کے قیام کے لئے ضروری ہے جس پر ذمہ دار حکومت کا انحصار رہتا ہے۔

عوام کے ناخواندہ ہونے اور ان میں سیاسی تجربہ کی کمی کی بنا پر جو اعتراضات

کئے جاتے ہیں انھیں ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے ۔ ملک کی آبادی میں چونکہ پڑھے لکھے لوگوں کا تناسب بہت کم ہے اسلئے حق رائے کو کتنا ہی محدود کیا جائے رائے دینے والوں کی اکثریت پر یہ اعتراض ہمیشہ باقی رہے گا ۔ اس کے لئے نہ کوئی معقول وجہ نظر آتی ہے ۔ اور نہ انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو شخص ایک مقررہ آمدنی کما لیتا ہو اس کی سیاسی تعلیم کا بیڑا تو اٹھایا جائے لیکن ایک دوسرے شخص کو اس تعلیم سے صرف اس لیے محروم رکھا جائے کہ وہ اس سے ذرا کم کماتا ہے ۔ سیاسی تجربہ سیاسی اداروں میں عملی حصہ لینے سے حاصل ہوتا ہے اور اسکا تمامتر انحصار لکھے پڑھے ہونے پر نہیں ہوتا ۔ اس تجربہ کو حاصل کرنے کے مواقع سب لوگوں کے لئے یکساں ہونے چاہئیں ۔ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک نے بھی تمام بالغوں کو حق رائے دینے سے پہلے اسکا انتظار نہیں کیا کہ سو میں سو آدمی لکھے پڑھے ہو جائیں ۔ پھر ہندوستان کیوں انتظار کرے ۔

سینیٹ | سینیٹ کے متعلق ہماری سفارش ہے کہ انتخاب کنندہ صوبہ کی قانون ساز مجالس ہوں ۔ ہر صوبہ کے لئے ممبروں کی تعداد مقرر کر دی جائے جو آبادی کے اعتبار سے ہو اور اس میں ایک کم سے کم تعداد کا خیال رہے ۔

پہلی آل پارٹیز کمیٹی میں اکثریت نے سینیٹ کے لئے ایک محدود حلقہ انتخاب کنندگان کی تجویز پیش کی تھی ۔ اگرچہ اقلیت ہماری موجودہ تجویز کے موافق تھی ۔ ایوان اعلیٰ کا انتخاب اگر براہ راست ہو تو یا انتخاب کرنے والوں کا حلقہ تنگ اور محدود ہوگا ۔ یا اسی قدر وسیع جتنا کہ ایوان زیریں کے لئے ہے ۔ دوسری صورت میں ایوان اعلیٰ ایوان زیریں کا مثنیٰ بن جائیگا اور اس طرح بالکل غیر ضروری شئی ہوگا پہلی صورت میں وہ جماعت کے صرف ایک محدود طبقہ کی نمایندگی کرے گا ۔ اور ہمیشہ رکاوٹیں اور جھگڑے پیدا ہوں گے ۔ ایک ایسے ایوان دوم کے وجود کے لئے کوئی وجہ نہیں جو تمامتر مخالفین اصلاح اور ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو خاص خاص طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کا خاص مقصد خود اپنے اغراض کی حفاظت کرنا

اور تمام اصلاحی کارروائیوں میں رکاوٹیں ڈالنا ہو۔ اسکو حق بجانب قرار دینے کے لئے اگر کوئی وجہ ہے تو یہ ہے کہ ایوان زیریں سے نکلی ہوئی تمام تجاویز پر یہاں ذرا زیادہ پرسکون فضا اور زیادہ بے تعلقی کے ساتھ پھر غور کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ کیونکہ جب متنازعہ فیہ مسائل درپیش ہوں تو ایوان زیریں میں اس کا کم امکان ہے۔ ہندوستان میں چونکہ فرقہ وارانہ احساس موجود ہے اس لئے یہ چیز اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ براہ راست انتخاب کی صورت میں سینیٹ یا تو ایوان زیریں کا مثنیٰ بنکر رہ جائے گا۔ یا ایک ایسی ترقی دشمن جماعت بنجائے گا جو صرف چند مخصوص اغراض کی نمایندگی کرے۔ ہم نے جو بالواسطہ انتخاب کا طریقہ تجویز کیا ہے اس سے یہ دشواری حل ہو جاتی ہے۔ اس میں انتخاب کرنے والے چونکہ گمان یہی ہے کہ سمجھ بوجھ کے اعتبار سے خاصی بلند سطح پر ہوں گے اس لئے امکان ہے کہ صحیح قسم کے آدمی منتخب ہو سکیں گے یعنی وہ آدمی جو اس شور و غل اور ڈھول پیٹنے کو گوارا نہ کرتے ہوں جو ایسے جمہوری انتخابات کا لازمہ ہیں جن کی بنیاد وسیع حلقہ ہائے انتخاب پر ہو۔ ان کو منتخب کرنے والی جماعت اگرچہ تعداد میں محدود ہوگی لیکن محض حیثیت مخصوص اغراض یا طبقہ پر مبنی نہ ہوگی۔ گمان یہی ہے کہ اس میں ملک کے عام انتخاب کرنیوالوں کے مزاج کا عکس دکھلائی دے گا۔ اس میں اقلیتوں اور دیگر مخصوص مفاد کی نمایندگی کا زیادہ موقع ہوگا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ہماری سفارش کے مطابق سینیٹ کا انتخاب نمایندگی بہ اعتبار تناسب (Proportional Representation) کے اصول پر کیا جائے۔

اس تجویز کو منظور کرنے میں ایک اور فائدہ بھی ہے یعنی مرکزی قانون ساز جماعت میں صوبوں کی نمایندگی براہ راست بہ حیثیت صوبوں کے ہوگی اور صوبوں کا نقطۂ نظر سینیٹ میں پیش ہو سکے گا۔ صوبوں کی قانون ساز مجالس اور مرکزی قانون ساز جماعت میں روابط پیدا کرنے اور دستور پر ہم آہنگی و یک جہتی کے ساتھ عمل کرانے کے لئے یہ اور

بھی ضروری چیز ہے ہمنے تجویز کیا ہے کہ ہر صوبہ کے لئے نشستوں کی تعداد متعین کر دی جائے جو آبادی کی بنیاد پر ہوں ۔ اور ایک کم سے کم تعداد کا خیال رہے یہ کم سے کم تعداد ہمنے مقرر نہیں کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ نشستوں کا تعین کرنے میں کم وبیش آبادی کا معیار پیش نظر رکھا جائے لیکن کامل طور پر اس کی پابندی نہ ہو تاکہ چھوٹے صوبوں کی بھی مناسب نمائندگی ہو سکے۔ بعض ممالک میں مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکہ میں حکومت متحدہ کی تمام ریاستیں بلا لحاظ آبادی سینیٹ میں برابر برابر ارکان بھیجتی ہیں۔ ہمارے صوبوں کے رقبہ اور آبادی میں جو بڑا فرق ہے اس کا لحاظ کر کے سب صوبوں کے لئے مساوی نمائندگی کا اصول صحیح نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک صوبہ اور دوسرے صوبہ کی نمائندگی میں بہت زیادہ تباین نہ ہونا چاہیئے۔

قانون ساز جماعتوں کی مدت قیام | ہم نے تجویز کیا ہے کہ دار المندوبین کی مدت ۵ سال اور سینیٹ کی ۷ سال ہو۔

تقسیم فرائض | ہم نے پہلی کمیٹی کی اکثر سفارشوں کو منظور کر لیا ہے لیکن ان میں اضافے کئے ہیں اور بہت سی تبدیلیاں بھی۔ ہمنے کسی معاملہ میں مرکزی اور صوبہ کی مجالس قانون ساز کو ساتھ ساتھ اختیارات نہیں دیئے ہیں۔ اس سے جھگڑے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے ہمنے کوشش کی ہے کہ ان دونوں کے فرائض کو بالکل جدا جدا کر دیں۔

قانون ساز مجالس سے متعلق دوسری دفعات نوآبادیوں کے قوانین کے طرز پر ہیں۔ مرکزی جماعت قانون ساز میں مالی مطالبات کے متعلق دار المندوبین کو کامل اختیار دیا گیا ہے۔

جماعت عاملہ | ہمنے سفارش کی ہے کہ دولت مشترکہ ہند کی مجلس عاملہ میں ایک وزیر اعظم ہو اور چھ سے زیادہ وزراء نہ ہوں۔ غالباً ایسا رجحان ہوگا کہ وزراء کی تعداد بڑھا دی جائے تاکہ مختلف جماعتوں کو نمائندگی مل سکے۔ ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ اور چونکہ ہم صوبوں کو خود مختاری دیتے ہیں اسلئے ہمارا خیال ہے کہ مرکزی مجلس عاملہ میں سات رکن کافی ہونے چاہئیں۔ اسکے کہنے کی ضرورت

ہی نہیں کہ مجلس عاملہ مجموعی حیثیت سے مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہوگی۔
صوبوں کی جماعت عاملہ میں ہم نے ۵ وزراء کی تجویز کی ہے۔ ایک وزیر خاص

اور چار اور۔
مرکزی اور صوبوں کی جماعت عاملہ کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ نوآبادیوں

کے دستور اساسی ہیں۔

عدالتیں | ہائی کورٹوں کے علاوہ ہم نے ایک عدالت عالیہ کی تجویز کی ہے۔ اور ہماری رائے ہے کہ سوائے خاص صورتوں کے جن کی تفصیل ہم نے کردی ہے معمولاً کوئی مرافعہ ملک معظم یا اجلاس کونسل کے سامنے نہ جائے۔

عدالت عالیہ | ہم خاص طور پر ان مقدمات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جو براہ راست عدالت کے احاطہ اختیار میں آتے ہیں، ان میں سب سے اہم وہ معاملات ہیں جو صلحناموں، عہدناموں، سندوں اور اسی قسم کے دوسرے دستاویزات کی بناء پر دولت متحدہ ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان پیدا ہوں۔ اور جنھیں گورنر جنرل باجلاس کونسل، ریاست متعلقہ کی رضامندی سے بغرض فیصلہ عدالت عالیہ کے سامنے بھیج سکتا ہے۔

مالیات | ملک کی آمدنی کو مرکزی اور صوبوں کی حکومتوں میں تقسیم کرنا، اور فوجی تحفظ، تعلیم، اور دوسرے ضروری امور کے لئے رقوم کا تعین مشکل کام ہوگا۔ اور اس میں بیحد غور و فکر کی ضرورت ہوگی۔

تحقیقاتی کمیشن | ہم نے سفارش کی ہے کہ دولت متحدہ ہند کے قیام کے فوراً ہی بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو مندرجہ ذیل امور کی تحقیق کرے

(۱) آمدنی کے کون سے ذرائع دولت متحدہ ہند کو تفویض کئے جائیں۔ اور کون سے صوبوں کو۔

(۲) مرکزی اور صوبوں کی حکومتوں میں مالی تعلقات کیا ہوں۔

اس سفارش میں ہم نے جنوبی افریقہ کے دستور اساسی کے دفعہ ۱۱۸ کو سب سے زیادہ مناسب سمجھ کر اسی کی پیروی کی ہے۔

ہم نے اس کمیشن پر ایک اور بھی فرض عاید کیا ہے۔ اور وہ مندرجہ ذیل کمیٹیوں کا تقرر ہے،

(۱) بری، بحری اور ہوائی فوجوں کے لئے افسروں کی تربیت کے تمام مسائل اور اس غرض کے لئے اسکولوں یا کالجوں کے قیام کے طریقوں پر غور کرنے کے لئے ایک مخصوص کمیٹی۔

(۲) عام ابتدائی تعلیم کے رواج اور پست جماعتوں کے لئے مخصوص تعلیمی آسانیاں بہم پہنچانے کے مسئلے کی تحقیق اور اس پر رپورٹ پیش کرنے کے لئے ایک دوسری کمیٹی۔

(۳) ایسی دوسری کمیٹیاں جنھیں یہ کمیشن ضروری سمجھے۔

سول سروس | ہم نے سفارش کی ہے کہ دولت مشترکہ ہند کے قیام کے بعد ایک مستقل پبلک سروس کمیشن بھی مقرر کر دیا جائے۔ دولت متحدہ ہند کے اولین فرائض میں سے یہ بھی ہوگا کہ وہ عام ملازمتوں کے محکموں کی از سر نو تشکیل و ترتیب کرے۔ موجودہ ہندوستانی حکومت کے انتظامات اس وجہ سے بہت بدنام ہیں کہ وہ نیچے سے ہلکے اور اوپر سے بھاری ہیں ملک کے تباہ کن افلاس کے باوجود بھی اعلیٰ ملازموں کو اتنی زیادہ تنخواہیں دی جاتی ہیں جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں دی جاتیں۔ سلطنت ہند کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ آئیگا کہ فوجی تحفظ، تعلیم، صنعت، حفظان صحت اور دوسرے کثیر التعداد مقاصد کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم کیا جائے۔ ایسے اعلیٰ فوجی سول ملازموں کا رکھنا جنہیں اس قدر بڑی تنخواہیں دی جائیں ہمارے امکان سے باہر ہوگا اور ہمیں مجبوراً اسکی کوشش کرنی پڑے گی کہ حیثیت سے زیادہ مصارف میں تخفیف کر کے ملک کے ابھارنے کے لئے روپیہ بچائیں۔ عوام نے یا یوں کہنا چاہئے کہ عوام کے اس طبقے نے جو قوت گویائی رکھتا ہے ہمیشہ حاکموں کی گراں قدر تنخواہوں کے خلاف احتجاج کیا ہے لیکن اس احتجاج کا جواب ملا بھی تو وہ لی کمیشن کی صورت میں، سب کو معلوم ہے کہ یہ کمیشن باوجود ہندوستانیوں کی متفقہ مخالفت کے مقرر

کیا گیا۔ اور اس کی سفارشات پر ہندوستانی مجالس قانون ساز کو پس پشت ڈال کر عمل در آمد شروع ہو گیا۔ اس لئے ہمارا خیال ہو کہ ملازمتوں میں داخلے کے مصادر اور اس کے طریقے پر اور ملازموں کی تنخواہوں، معاوضوں، وظیفوں اور الاؤنسوں کے پورے مسئلہ پر ان جدید سیاسی حالات کی روشنی میں جو نئے دستور کے اجراء سے پیدا ہوں گے۔ آئندہ از سر نو غور کرنا پڑے گا۔ اسی لئے ہم نے ایک مخصوص پبلک سروس کمیشن کے تقرر کی تجویز کی ہے۔ جو نئی تشکیل اور ترتیب کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کے لئے بھی جو دولت مشترکہ ہند کے قیام کے وقت سرکاری ملازم ہوں کافی ضمانت کر دی ہے۔ خواہ وہ لوگ ملازمتوں کو چھوڑ دینے کا ارادہ کریں یا دولت مشترکہ ہند کے ملازم کی حیثیت سے رہنا چاہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو جو ملازمتیں چھوڑنا چاہیں تین سال کی مدت دی تھی جس میں وہ انہیں شرائط پر جو دولت مشترکہ کے قیام کے وقت نافذ ہوں اپنی ملازمتوں سے دست بردار ہو سکتے ہیں۔

فوجی ملازمتیں | ہم نے یہی تجاویز ان لوگوں کے حق میں بھی کی ہیں جو نئے دستور کے جاری ہونے کے وقت بری یا بحری فوج یا "شاہی ہندوستانی بیڑے" میں یا ہندوستانی ہوائی دستے میں ملازم ہوں۔

تحفظ ملک | ہم نے ایک مجلس تحفظ کے تقرر کی سفارش کی ہے۔ جو حسب ذیل اشخاص پر مشتمل ہوگی۔

(۱) وزیر اعظم

(۲) وزیر تحفظ

(۳) وزیر خارجہ

(۴) سپہ سالار اعظم

(۵) سپہ سالار افواج ہوائی

(۶) امیر البحر

(۷) جنرل اسٹاف کا سردار اعلیٰ اور (۸ و ۹) دو دوسرے ماہرین۔

اس مجلس کا فرض ہوگا کہ حکومت کو عام پالیسی کے مسائل میں مشورہ دے اور ہندوستان سے تحفظ کا خیال رکھتے ہوئے اگر فوجی اخراجات میں کوئی تخفیف ممکن ہو تو اس کی سفارش کرے۔ ہمنے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ سالانہ تخمینہ جات اس مجلس کی سفارش کے مطابق مرتب کئے جائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان تجاویز سے فوج کی کارکردگی اور انتظام کی بہتری میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

دوسری تجاویز کے لئے ہم باب ہفتم کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جس میں انہیں بتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

باب ہفتم

سفارشات

ہم نے تمام دستور اساسی کو اس قطعیت اور صحت کے ساتھ مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ جو جماعت قانون ساز کے سامنے پیش ہونیوالے مسودات قانون کے لئے ضروری ہے۔ البتہ ہماری سفارشات نے اپنی ماہیئت کے اقتضا سے مسودۂ قانون کی دفعات کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ لیکن ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ انھیں دفعات قانون سمجھا جائے۔ یا ان میں اس سے زیادہ اور کچھ دیکھنے کی کوشش کیجائے کہ یہ بس ان اصولوں کو ظاہر کر دیتے ہیں جو مقصود ہیں۔ اور حدود و استصواب کی رو سے ہم سے اسی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ کام تو پارلیمنٹری مسودہ نگاروں کا ہے۔ کہ انہیں مرتب کریں۔ رسمی اور ضمنی دفعات کا اضافہ کریں۔ اور تفصیلات درج کر دیں جنہیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ہم یہ ذکر کر دیں تو مناسب ہے کہ بعض مسودوں میں جو ہمارے سامنے پیش کئے گئے ہیں ایسے احکام انتقال اور احکام کونسل بھی درج ہیں جن سے اس دستور کو نافذ کیا جائے گا۔ یہ احکام بہت اہم ہیں۔ لیکن ان کا تیار کرنا ہم سے زیادہ مسودہ نگاروں کا کام ہے۔ بعض باتوں میں ہم نے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ بعض میں کم لیکن یہ کم و بیش اتفاقی بات ہے۔ ہم نے نوآبادیات کے دستوروں، نیز ڈاکٹر اسینٹ کے کامن ویلتھ آف انڈیا بل (مسودہ قانون دولت مشترکہ ہند) اور جناب وجیا راگھو چاریار، سری نواس آینگر، اور رنگا سوامی آینگر صاحبان کے تیار کردہ مسودات، انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی کی کمیٹی کے مسودہ، اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (قانون حکومت ہند) سے نہایت آزادی کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ لیکن ہمیں اکثر یہ ضرورت پڑی ہے کہ ان میں لفظی اور بعض اوقات زیادہ اہم معنوی تبدیلیاں کریں۔ ہم نے تمہید

اور تعریفات کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ سوائے ایک شہری (Citizen) کی تعریف کے جو آل پارٹیز کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے طے کر دی تھی۔ اب ہم اپنی سفارشات کو مناسب عنوانوں کے تحت میں پیش کرتے ہیں

ہندوستان کی دستوری حیثیت

۱۔ قوموں کی اس جمعیتہ میں جسے سلطنت برطانیہ کہتے ہیں، ہندوستان کی دستوری حیثیت وہی ہوگی جو مملکت کنیڈا، دولت مشترکہ آسٹریلیا، مملکت نیوزیلینڈ، اتحاد جنوبی افریقہ یا دولت آزاد آئرلینڈ کو حاصل ہے۔ اس کی ایک پارلیمنٹ ہوگی۔ جو امن، انتظام ملکی اور ہندوستان میں اچھی حکومت کے قیام کے لیے قانون بنانے کی مجاز ہوگی۔ ایک جماعت عاملہ ہوگی۔ جو پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ ہوگی۔ اور یہ دولت مشترکہ ہندوستان کے نام سے موسوم و معروف ہوگی

دستور اور قوانین کا نفاذ

۲۔ یہ دستور اور تمام وہ قوانین جو دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ اس کے ماتحت بنائے وہ تمام صوبوں اور دولت مشترکہ کے تمام حصوں کی عدالتوں اور لوگوں پر واجب التعمیل ہوں گے۔ بلالحاظ ہر اس شرط کے جو ہندوستان کی مرکزی یا صوبہ دار مجالس قانون ساز کے بنائے ہوئے کسی قانون میں یا سلطنت متحدہ کی کسی ایسے قانون میں ہو جس کا عمل ہندوستان میں ہے۔ اور دولت مشترکہ کے قوانین ان سمندروں میں بھی نافذ ہوں گے۔ جن پر اس کی حکومت ہو۔

شہری کی تعریف

۳۔ اس دستور میں جہاں لفظ "شہری" استعمال ہوا ہے۔ وہاں اس سے مراد ہے ہر وہ شخص (الف) جو خود دولت مشترکہ کی حدود مملکت میں پیدا ہوا ہو۔ یا جس کا باپ ان حدود میں

پیدا ہوا ہو۔ یا اس نے حقوق قومیت حاصل کر لئے ہوں۔ اور جسے کسی دوسرے ملک کے شہری کی حیثیت سے حقوق قومی حاصل نہ ہوں۔

(ب) جو قانون رائج الوقت کے ماتحت دولت مشترکہ میں حقوق قومی حاصل کرلے۔

توضیح: کوئی شخص جو کسی دوسرے ملک کا شہری ہو۔ وہ اسوقت تک دولت مشترکہ کا شہری نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ طریقہ معینہ قانون سے وہ اس دوسرے ملک کے حقوق شہریت سے دست بردار نہ ہو جائے۔

بنیادی حقوق*

۴۔ (۱) حکومت کا سارا اقتدار اور وضع قوانین، تنفیذ اور عدالت کے تمام اختیارات قوم سے حاصل ہوتے ہیں اور دولت مشترکہ ہند میں ان پر اس دستور کے مطابق اور ان نظاموں کے ذریعہ عمل درآمد ہوگا جو اس دستور کے رو سے یا اس کے ماتحت وجود میں آئیں۔

(۲) کسی شخص کو اس کی آزادی سے محروم نہ کیا جائے گا۔ نہ اسکی جائے سکونت یا املاک میں کوئی داخل ہو سکے گا۔ نہ انہیں قرق کر سکے گا۔ نہ ضبط۔ الا یہ کہ قانون کے تحت میں۔

(۳) اس دستور کی رو سے ہر شخص کو ضمیر کی آزادی اور مذہب کے اقرار اور اسپر عمل کی آزادی حاصل ہوگی۔ بشرطیکہ اس سے امن عامہ یا اخلاق میں خلل نہ پڑے۔

(۴) اس دستور کی رو سے ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی، نیز پر امن طریقہ سے اور بلا اسلحہ جمع ہونے اور انجمن یا اتحاد قائم کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔ بشرطیکہ یہ ایسے اغراض کے لئے ہوں جن سے امن عامہ یا اخلاق میں خلل نہ پڑے۔

(۵) دولت مشترکہ ہند کے تمام شہریوں کو بلا معاوضہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا حق ہوگا۔

* کانفرنس نے بنیادی حقوق میں ایک اور دفعہ کا اضافہ کیا ہے جس میں حقوق اور ذاتی جائداد سے بحث کی گئی ہے۔ دفعہ ۱۷ میں بھی کچھ بڑھایا گیا ہے جس کی وجہ سے مستقل حق استعمال آراضی حاصل ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو کانفرنس کی قرارداد نمبر ۱۰ و ۱۱

اور جو تعلیم گاہیں ریاست کی طرف سے قائم ہوں گی یا اس سے مدد پاتی ہوں گی۔ ان میں داخلہ کے بارہ میں ذات یا مذہب کی کوئی تمیز نہ کی جائے گی۔ جونہی جماعت با اختیار مناسب انتظامات کرے یہ حق نافذ ہو جائے گا۔

(۶) قانون کے سامنے سب شہری برابر ہیں۔ اور مساوی مدنی حقوق رکھتے ہیں۔

(۷) کوئی تعزیری قانون (نہ اصول قانون نہ ضابطہ) ایسا نہ ہوگا جس میں کسی قسم کا امتیاز روا رکھا جائے۔

(۸) کسی شخص کو ایسے فعل پر سزا نہ دی جائے گی۔ جو ارتکاب کے وقت قانون رائج کی رو سے قابل سزا نہ تھا۔

(۹) کوئی جسمانی سزا یا ایسی سزا جس میں سخت اذیت ہو قانوناً جائز نہ ہوگی۔

(۱۰) ہر شہری کو گرفتاری کی صورت میں تحقیقات عدالتی کے مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔ جنگ یا بغاوت کے زمانہ میں مرکزی مجلس قانون ساز اپنے کسی قانون سے اس حق کو کچھ عرصہ کے لئے روک سکتی ہے یا اگر مجلس قانون ساز کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو گورنر جنرل با اجلاس کونسل ایسا کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ جلد سے جلد مناسب کارروائی کے لئے اس کی اطلاع جماعت قانون ساز کو دے گا۔

(۱۱) دولت مشترکہ ہند کا کوئی سرکاری مذہب نہ ہوگا۔ نہ دولت مشترکہ کے کسی صوبہ کا۔ اور نہ ریاست براہ راست یا بالواسطہ کسی مذہب کی مالی امداد کرے گی۔ نہ مذہبی عقیدہ یا مذہبی حیثیت کی وجہ سے کسی شخص کو ترجیح دے گی۔ نہ کسی کے استحقاق میں کمی کرے گی۔

(۱۲) کوئی شخص جو ایسے کسی مدرسہ میں تعلیم پاتا ہو جسے سرکاری مدد یا اور کسی عام فنڈ سے مدد ملتی ہو کا اس مذہبی درس میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جو اس مدرسہ میں دیا جاتا ہو۔

(۱۳) سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے، مناصب اقتدار یا اعزاز پر متمکن ہونے، اور کسی پیشہ یا کاروبار کرنے کے استحقاق میں کسی شخص کے مذہب یا ذات کی وجہ سے کوئی کمی نہ ہوگی۔

(۱۴) عام گذرگاہوں، کنووں اور دوسری عام اجتماع کی جگہوں پر جانے اور انہیں استعمال کرنے کا حق ہر شہری کو برابر حاصل ہوگا۔

(۱۵) مزدوروں کی حالت اور معاشی حالات کے برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے ہر شخص اور ہر پیشہ کے لوگوں کو ملنے اور انجمن بنانے کی آزادی حاصل ہوگی تمام معاہدے اور کارروائیاں جن سے ان آزادی کے محدود ہونے یا رکنے کا احتمال ہو خلاف قانون سمجھی جائیگی۔

(۱۶) خدمت کے معاہدہ کو توڑنا یا اس کی ترغیب دینا فوجداری جرم نہ سمجھا جائے گا۔

(۱۷) صحت کو قائم رکھنے، تمام شہریوں کو کام کے لائق رکھنے، ہر کام کرنیوالے کے لئے قوت لایموت کی ضمانت کرنے، ماؤں کی حفاظت، بچوں کی بہبود، اور بڑھاپے، ضعف و ناتوانی اور بیکاری کے معاشی نتائج سے مامون کرنے کے لئے پارلیمنٹ مناسب قانون بنائے گی۔*

(۱۸) ہر شہری کو ان ضوابط کے مطابق جو اس باب میں بنائے جائیں اسلحہ رکھنے اور باندھنے کا حق ہوگا۔

(۱۹) مردوں اور عورتوں کو بہ حیثیت شہری مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔

نوٹ - بلالحاظ دفعہ ۴ کی کسی تصریح کے جو اسکے خلاف پڑتی ہو سکھوں کو کرپان رکھنے کا حق ہوگا۔

پارلیمنٹ

۵۔ دولت مشترکہ کی قوت قانون ساز پارلیمنٹ ہوگی جو بادشاہ، سینیٹ (Senate) اور دارالمندوبین House of Representatives پر مشتمل ہوگی۔ اور جسے اس دستور میں صرف پارلیمنٹ کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

۶۔ گورنر جنرل کا تقرر بادشاہ کرے گا۔ اور دوران خوشنودی شاہی میں وہ دولت مشترکہ

---

* کانفرنس نے یہاں ایک فقرے کا اضافہ کرکے کاشتکاروں کو مستقل حق استعمال آراضی عطا کیا ہے ملاحظہ ہو کانفرنس کی قرارداد

میں وہ اختیارات و وظائف شاہی رکھے گا۔ اور عمل میں لائے گا جو آں بدولت اسے تفویض فرمائیں

۷۔(الف) ہندوستان کی سرکاری آمدنی سے بادشاہ کو گورنر جنرل کی تنخواہ کی مد میں مبلغ .... سالانہ کی رقم دی جائے گی۔ اور یہ رقم منسلکہ نقشہ کے مطابق ہوگی تا آنکہ دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ اسکے خلاف طے کر دے۔

(ب) گورنر جنرل کی تنخواہ میں اس کے دوران ملازمت میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔

۸۔ سینیٹ ۲۰۰ ارکین پر مشتمل ہوگا جنہیں صوبوں کی کونسلیں منتخب کریں گی۔ اور ایک کم سے کم تعداد کے تعین کے بعد ہر صوبہ کے لئے آبادی کی بنیاد پر نشستیں مقرر ہوں گی۔ انتخاب نمائندگی باعتبار تناسب کے طریقے سے واحد انتقال پذیر رائے کے ذریعہ (Single Transferable Vote) عمل میں آئے گا (طریقہ ہیر)

۹۔ دارالمندوبین ۵۰۰ ارکین پر مشتمل ہوگا جنکا انتخاب ان حلقوں سے ہوگا جو قانون کی رو سے مقرر ہوں۔ دونوں صنفوں کے ہر فرد کو جس کی عمر ۲۱ سال ہوگئی ہو۔ اور جو قانوناً حق رائے دہندگی سے محروم نہ کر دیا گیا ہو۔ رائے دینے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر ضرورت ہوئی تو پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً ارکین کی تعداد میں اضافہ کرنے کی مجاز ہوگی۔

۱۰۔(۱) ہر دارالمندوبین اپنے پہلے جلسے سے ۵ سال تک اور ہر سینیٹ ۷ سال تک قائم رہے گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر جنرل دونوں ایوانوں کو اس مدت کے اندر برخاست کر سکتا ہے اور

(ب) اگر گورنر جنرل خاص حالات میں مناسب سمجھے تو اس مدت میں توسیع کر سکتا ہے اور

(ج) کسی ایوان کے برخاست ہونے کے بعد گورنر جنرل اس ایوان کے آئندہ اجلاس کی تاریخ مقرر کرے گا۔ جو تاریخ برخاستگی سے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ بعد ہوگی۔

(۲) گورنر جنرل دونوں ایوانوں کے اجلاس کے لئے جو وقت اور جگہ مناسب سمجھیگا مقرر کریگا اور وقتاً فوقتاً بذریعہ اطلاع نامہ یا کسی دوسری طرح بلا تعین مدت ان اجلاسوں کو ملتوی کر سکے گا۔

(۳) ہندوستانی مجالس قانون ساز کے دونوں ایوانوں کے کسی جلسہ کو وہ شخص ملتوی کرسکتا ہے جو صدارت کر رہا ہو۔

(۴) دونوں ایوانوں میں تمام مسائل کا فیصلہ حاضر اراکین کی کثرت رائے سے ہوگا جس میں صدارت کرنیوالا رکن شامل نہ ہوگا لیکن اس رکن کو رایوں کے برابر ہونے کی صورت میں ایک فیصلہ کن رائے کا حق ہوگا اور وہ اس حق کو استعمال بھی کرے گا

(۵) ہندوستانی مجالس قانون ساز کے دونوں ایوان باوجود اپنی کسی نشست کے خالی ہونے کے اپنے اختیارات کو عمل میں لا سکیں گے۔

۱۱۔ ہر ایوان پارلیمنٹ کا ایک صدر ہوگا جو اس ایوان کا رکن ہوگا اور جسے ایوان منتخب کریگا ہر ایوان کا ایک نائب صدر بھی ہوگا جو ایوان کا رکن ہوگا اور اس کا انتخاب بھی اسی طرح ایوان ہی کرے گا۔

۱۲۔ سینیٹ اور دارالہند میں اور ان کے اراکین کو جو رعایتیں، ہتیں، اور اختیارات حاصل ہوں گے ان کا تعین وقتاً فوقتاً دولت مشترکہ کے قانون پارلیمنٹ کی رو سے ہوگا۔

۱۳۔ پارلیمنٹ کو اس دستور کی دفعات کے ماتحت حسب ذیل اغراض کے لئے قانون بنانے کا اختیار ہوگا۔

(الف) ان تمام معاملات کے بارہ میں جو اس دستور کی رو سے صوبوں کی مجالس قانون ساز کو تفویض نہیں کیے گئے ہیں۔ دولت مشترکہ کے امن، انتظام، اور اچھی حکومت کے لئے قانون بنانا۔

(ب) ہندوستان کے دوسرے حصوں نیز حدود ہند سے باہر دولت مشترکہ کی رعایا اور ملازموں کے لئے قانون بنانا۔

(ج) سرکاری عہدہ داروں، سپاہیوں، ہوابازوں، اور ملک معظم کی افواج کے ہر کا بول کے لئے قانون بنانا۔ چاہے وہ کہیں بھی خدمت انجام دے رہے ہوں اس حد تک کہ وہ قانون فوج

بری یا قانون فوج ہوائی کے ماتحت نہ ہوں

(د) ان سب لوگوں کے لئے قانون بنانا۔ جو شاہی ہندوستانی بحری سروس یا ہندوستانی جنگی بیڑہ میں ملازم ہوں، خدمت کر رہے ہوں، یا اس سے تعلق رکھتے ہوں۔

مزید تیقن کے لئے لیکن اس دفعہ کے مندرجہ بالا الفاظ کی عمومیت کو محدود کئے بغیر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ باوجود کسی ایسی چیز کے جو اس قانون میں ہو دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ کا اختیار قانون سازی ان تمام معاملات پر حاوی ہے جو ان چیزوں سے متعلق ہوں جن کی تفصیل و تشریح نقشہ ملا متسلکہ ہذا میں درج ہے۔

۱۴۔ امور خارجہ میں جس میں ہندوستانی ریاستوں کے معاملات شامل نہیں، پارلیمنٹ کو وہی اختیارات ہوں گے جو حکومت خود اختیاری رکھنے والی نوآبادیوں کو حاصل ہیں۔

۱۵۔ اس کا انتظام کر دیا جائے کہ اس قانون کے ماتحت مجالس قانون ساز کے ایوانوں میں طریق کارروائی کو منضبط کرنے اور ان میں نظم قائم رکھنے کے لئے قواعد بنائے جا سکیں اور اس کے لئے کہ صدر اور نائب صدر کی عدم موجودگی میں کوئی شخص دار المندوبین کی صدارت کرے ان قواعد میں یہ بھی تصریح ہو کہ کتنے ارکین کی موجودگی "کورم" کے لئے کافی ہوگی۔ اور ان معاملات پر سوالات یا بحث کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔ یا اسکے لئے ضابطہ مقرر کر دیا جائے جن کی تفصیل قواعد میں ہو

۱۶۔ (الف) جو مسودہ قانون دولت مشترکہ کی حکومت کے معمولی سالانہ خدمات کے لئے سرکاری آمدنی یا رقوم پر تصرف کے لئے پیش کیا جائے۔ اس میں صرف اس تصرف سے بحث ہوگی۔

(ب) جو مسودات قانون محاصل (ٹکس) لگانے کے متعلق ہوں ان میں صرف اس ٹکس کے لگانے سے بحث ہوگی۔ اور اس میں اگر کوئی دفعہ کسی دوسرے معاملہ کے متعلق ہوگی۔ تو وہ کالعدم سمجھی جائے گی۔

(ج) ایسے مسودات قانون جن سے قرض عامہ پر اثر پڑے۔ یا جن میں سرکاری آمدنی

اور رقوم پر تصرف سے بحث ہو۔ یا محصول لگانے سے انہیں مجلس عاملہ ہی کا کوئی رکن پیش کر سکے گا اوران کی ابتدا دارالمندوبین ہی سے ہو سکے گی۔

۱۷۔ مسودہ قانون بابتہ رقوم زر (Money Bill) سے مراد وہ مسودہ ہے جس میں مندرجہ ذیل امور میں سے سب یا کسی سے بحث ہو یعنی ٹیکس کا لگانا، منسوخ کرنا، واپس دینا، تبدیل کرنا، یا منضبط کرنا، سرکاری آمدنی اور رقوم پر کوئی بار ادائیگی قرض یا دوسری مالی اغراض سے ڈالنا یا اس میں تغیر کرنا یا اسے منسوخ کرنا؛ سرکاری رقوم کی فراہمی، تصرف، رسید، امانت، اجرا اور حسابات کی جانچ؛ قرض لینا یا اس کی ادائیگی؛ یا ان معاملات سے متعلق کوئی ذیلی امر یا امور، اس تعریف میں اصلاح "ٹیکس" "سرکاری رقوم" اور "قرض" میں بالترتیب وہ ٹیکس، رقم، یا قرض شامل نہیں۔ جو مقامی جماعتیں، یا مقامی با اختیار لوگ حاصل کریں۔

۱۸۔ اس مسئلہ کا فیصلہ کہ کوئی مسودہ قانون مسودہ بابتہ رقوم زر ہے یا نہیں، دارالمندوبین کا صدر کرے گا۔

۱۹۔ جس مسودہ قانون بابتہ رقوم زر کو دارالمندوبین منظور کرے۔ وہ سینیٹ کے پاس اس کی سفارشات کے لئے بھیجا جائیگا۔ اور وہاں سے زیادہ سے زیادہ ..دن میں دارالمندوبین کو واپس کر دیا جائے گا۔ جو سینیٹ کی تمام یا کسی سفارش کو قبول یا رد کرنے کے بعد اسے منظور کرے گا۔ اور ایسے منظور شدہ مسودہ قانون کے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا ہے۔

۲۰ (الف) اس قانون کے شرائط کو مد نظر رکھکر کوئی مسودہ قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی میں اول بار پیش ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس ایوان میں منظور ہو جائے تو غرض منظوری وہ دوسرے ایوان میں بھی پیش کیا جائے گا۔

(ب) سوائے اس صورت کے کہ اس قانون نے اسکے خلاف کوئی شرط مقرر کر دی ہو کوئی مسودہ قانون اسوقت تک پارلیمنٹ کی جانب سے منظور شدہ نہ سمجھا جائے گا جبتک

دونوں ایوان اس پر متفق نہ ہو جائیں۔ یا تو بلا ترمیم یا ایسی ترمیموں کیساتھ جنہیں دونوں ایوان منظور کرلیں۔

(ج) اگر کوئی ایسا مسودہ قانون جسے دار المندوبین نے منظور کر لیا ہے۔ اس ایوان میں منظوری کے ۶ مہینہ بعد تک سینیٹ میں بلا ترمیم یا ایسی ترمیمات کیساتھ جس پر دونوں ایوان متفق ہوں منظور نہیں کیا گیا تو کسی ایوان میں اس مضمون کی قرارداد منظور ہونے پر گورنر جنرل اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کے سامنے پیش کرے گا۔ اس مشترکہ اجلاس میں جو اراکین حاضر ہوں گے وہ ملکر اس مسودہ پر اس شکل میں غور کریں گے۔ اور ملکر اس پر رائے دیں گے جس شکل میں یہ دار المندوبین میں آخری مرتبہ پیش کیا گیا ہوگا۔ نیز اگر ایسی ترمیمیں ہوں جو اس مسودہ کے متعلق ایک ایوان پارلیمنٹ نے پیش کی ہوں لیکن جن سے دوسرا ایوان متفق نہ ہوا ہو تو ان پر بھی غور کریں گے اور رائے دینگے اور ایسی جس ترمیم کے موافق سینیٹ اور دار المندوبین کے اراکین شریک جلسہ کی اکثریت ہوگی اسکے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا ہے۔

۲۱۔ (الف) جب کوئی مسودہ قانون دونوں ایوانوں میں منظور ہو جائے گا۔ یا دونوں ایوانوں میں منظور شدہ متصور ہوگا تو فوراً اسے گورنر جنرل کے سامنے اس غرض سے پیش کیا جائے گا کہ بادشاہ کی طرف سے اس کی منظوری دے۔ گورنر جنرل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ منظوری دے یا نہ دے یا اس مسودہ کو بادشاہ کے ایما کے لئے روک لے

(ب) کوئی مسودہ قانون جسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے منظور کر لیا ہو اس وقت تک قانون نہیں بن سکے گا جب تک کہ گورنر جنرل بادشاہ کی طرف سے اسے منظور نہ کرے یا ان مسودات کے بارے میں جنہیں شاہی ایما کے لئے روک دیا گیا ہو گورنر جنرل دونوں ایوانوں کے سامنے تقریر یا پیام کے ذریعہ یا اعلان عام سے یہ ظاہر نہ کر دے کہ مسودہ کو ملک معظم بہ اجلاس کونسل نے منظور فرما لیا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جب کوئی مسودہ دونوں ایوانوں میں منظوری کے بعد گورنر جنرل کے پاس بغرض منظوری شاہی پیش کیا جائے یا کسی مسودہ کو گورنر جنرل نے بغرض دریافت ایما شاہی روک لیا ہو۔ تو گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ وہ مسودہ کو پارلیمنٹ کے پاس اس سفارش کیساتھ واپس کر دے کہ پارلیمنٹ

مسودہ میں ترمیمات پر از سر نو غور کرے

(ج) جو مسودہ اس طرح واپس کیا جائے گا اسپر پارلیمنٹ مع ان ترمیمات کے پھر غور کرے گی جن کی سفارش گورنر جنرل نے کی ہے۔ اور اگر پارلیمنٹ اسے مع یا بلا ترمیمات پھر منظور کرے تو یہ پھر گورنر جنرل کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا جائے گا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے منظوری شاہی کا اظہار فرمائیں

دولت مشترکہ کی قوت عاملہ

۴۲۔ دولت مشترکہ کی قوت عاملہ کا حامل بادشاہ ہے۔ اور گورنر جنرل بہ حیثیت نمائندہ شاہی مجلس عاملہ کے مشورہ سے اور اس دستور اور دولت مشترکہ کے قوانین کے ماتحت اس قوت کو استعمال کر سکتا ہے

۴۳۔ (الف) ایک مجلس عاملہ ہوگی جس میں وزیر اعظم اور جب تک پارلیمنٹ اس کے خلاف فیصلہ نہ کر دے۔ دولت مشترکہ کے زیادہ سے زیادہ چھ وزراء شامل ہوں گے۔

(ب) وزیر اعظم کا تقرر گورنر جنرل کرے گا۔ اور وزراء کو بھی وزیر اعظم کے مشورے سے مقرر کریگا۔

(ج) مجلس عاملہ بحیثیت مجموعی تمام ان معاملات کے لیے مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہوگی جو دولت مشترکہ کے ان محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جن کا انتظام اراکین مجلس عاملہ کے ہاتھ میں ہو۔

۴۴۔ جب تک پارلیمنٹ اس کے خلاف فیصلہ نہ کرے اس وقت تک دولت مشترکہ کی حکومت عاملہ کے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور ان کی برطرفی کا اختیار گورنر جنرل باجلاس کونسل کو ہوگا۔ الا یہ کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے خود یا دولت مشترکہ کے کسی قانون کی رو سے یہ اختیار کسی دوسرے کو منتقل کر دیا ہو۔

۴۵۔ دولت مشترکہ کی بری، بحری اور ہوائی افواج کی سپہ سالاری کا حامل بحیثیت نمائندہ شاہی

گورنر جنرل ہوگا۔

ہائی کمشنر اور خارجی نمایندے

۲۶۔ دولت مشترکہ کو ہائی کمشنروں اور دوسرے خارجی نمایندوں کے تقرر کا ویسا ہی اختیار ہوگا۔ جیسا کہ کنیڈا اور دوسری نو آبادیوں کو حاصل ہے۔ یہ تقرر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے ہوگا۔ اور وہی قواعد کے ذریعہ ان کی تنخواہ، اختیارات، فرائض، اور دیگر شرائط ملازمت طے کریگا۔

مالی نگرانی

۲۷۔(الف) ہندوستان کے صدر محاسب کا تقرر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کرے گا۔ اور وہی قواعد کے ذریعہ اس کی تنخواہ، اختیارات، فرائض، اور دیگر شرائط ملازمت یا اس کی جگہ کے عارضی طور پر خالی ہونے یا کام سے غیر حاضری کی حالت میں اس کے فرائض کے سرانجام کے شرائط طے کرے گا۔

(ب) ان قواعد کے ماتحت رہ کر جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل بنائے سرکاری ملازمتوں میں نہ کسی عہدہ کا اضافہ ہوگا نہ تخفیف نہ کسی عہدہ کی تنخواہ میں اسوقت تک تبدیلی ہوگی جب تک کہ اس مالیاتی صاحب اختیار سے مشورہ نہ کرلیا جائے جس کی تصریح قواعد میں ہوگی اور اس لحاظ سے کہ معاملہ کسی مقامی حکومت کے زیر نگرانی ہے یا نہیں وہ صاحب اختیار صوبہ کا آدمی ہوگا۔ یا دولت مشترکہ کا۔

صوبوں کی مجلس قانون ساز

۲۸۔ صوبہ کے اختیار قانون سازی کے حامل بادشاہ اور مقامی مجلس قانون ساز ہوں گے۔

۲۹۔ ہر صوبہ کا ایک گورنر ہوگا جس کا تقرر ملک معظم کریں گے۔ اور ہر صوبہ میں ملک معظم کی نمایندگی

کرے گا۔

۳۰۔ صوبہ کی آمدنی میں سے گورنر کی تنخواہ کے لئے ملک معظم کو سالانہ .... کی رقم ادا کیجائے گی۔ جو اس وقت تک نقشہ .... کے مطابق ہوگی جب تک دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ اسکے خلاف کچھ طے نہ کرے۔

۳۱۔ (الف) صوبہ کی آبادی کے ہر ایک لاکھ باشندوں پر صوبہ کی مجلس قانون ساز میں ایک رکن ہوگا۔ اس شرط کیساتھ کہ جن صوبوں کی آبادی ایک کروڑ سے کم ہے ان میں ۱۰۰ رکن ہونگے۔

(ب) ہر رکن کا انتخاب اس حلقہ سے ہوگا جو قانون مقرر کرے۔ دونوں صنفوں کا ہر شخص جس کی عمر ۲۱ سال کی ہو چکی ہے۔ اور جو قانوناً رائے دینے سے محروم نہیں کیا گیا ہے رائے دے سکے گا۔

۳۲۔ ہر صوبہ کی مجلس قانون ساز اپنے پہلے اجلاس سے ۵ سال تک قائم رہے گی۔ ان شرائط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر اسے اس سے پہلے منتشر کر سکتا ہے۔

(ب) اگر خاص حالات میں گورنر مناسب سمجھے تو ۵ سال کی اس مدت میں توسیع کر سکتا ہے۔

(ج) کونسل کے انتشار کے بعد گورنر اس کے دوسرے اجلاس کی تاریخ مقرر کریگا۔ جو انتشار سے ۲ مہینے سے زیادہ بعید نہ ہوگی۔

(د) گورنر کونسل کے اجلاس کے لئے جو جگہ اور وقت مناسب سمجھیگا مقرر کرے گا اور وقتاً فوقتاً بلا تعین مدت کونسل کے اجلاس کو ملتوی بھی کر سکے گا۔

(ہ) کونسل کے کسی جلسہ کو اسکا صدر ملتوی کر سکتا ہے۔

(و) کونسل میں تمام مسائل کا فیصلہ اراکین حاضر جلسہ کی کثرت رائے سے ہوگا ان میں صدر شامل نہ ہوگا۔ لیکن جب رائیں برابر برابر ہوں تو اسے فیصلہ کن رائے کا حق ہوگا۔ اور یہ اُسے

استعمال بھی کرے گا۔

(ش) باوجود کسی جگہ کے خالی ہونے کے کونسل اپنے اختیارات پر عمل پیرا ہو سکے گی۔

۳۳۔ ہر کونسل کا ایک صدر ہوگا جو اس کا رکن ہوگا اور جسے کونسل ہی منتخب کرے گی۔ ایک نائب صدر بھی ہوگا۔ یہ بھی کونسل کا رکن ہوگا۔ اور کونسل ہی اسے بھی منتخب کرے گی۔

۳۴۔ ہر صوبہ کی مقامی مجلس قانون ساز کو اس قانون کی دفعات کا پابند رہکر یہ اختیار رہے کہ ان علاقوں میں جنپر صوبہ مشتمل ہے۔ امن قائم رکھنے اور اچھی حکومت کے لئے قانون بنائیں۔ صوبہ کی کونسل کا اختیار قانون سازی ان تمام معاملات پر حاوی ہے جن کی تفصیل و تصریح نقشہ منسلکہ ہذا میں درج ہے۔

۳۵۔ صوبہ کی مقامی کونسل اپنے صوبہ کے متعلق ہر اس قانون کو منسوخ یا اس میں ترمیم کر سکتی ہے جو کسی صوبہ وار معاملہ سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ برطانوی ہند کی کسی با اختیار جماعت نے اسے اس قانون دستور کے نافذ ہونے سے پہلے بنایا ہو یا بعد۔

۳۶۔ ہر وہ قانون جس سے صوبہ کی آمدنی سرکاری پر اثر پڑتا ہو یا اس آمدنی پر کوئی بار عاید ہوتا ہو۔ اسے صرف گورنر کی مجلس عاملہ ہی کا کوئی رکن پیش کر سکتا ہے۔

۳۷۔ جب کوئی مسودہ قانون مقامی مجلس قانون ساز میں منظور ہو جائے تو گورنر اپنی منظوری یا نامنظوری کا اعلان کر سکتا ہے۔

۳۸۔ اگر گورنر کسی مسودے کو منظور نہ کرے تو یہ قانون نہیں بن سکتا۔

۳۹۔ اگر گورنر مسودہ کو منظور کرلے تو وہ اس کی ایک مصدقہ نقل گورنر جنرل کو بھیجیگا۔ اور یہ قانون اسوقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک کہ گورنر جنرل اسے منظور نہ کرے اور اپنی منظوری کی اطلاع گورنر کو نہ دیدے اور گورنر اُسے شایع نہ کردے۔

۴۰۔ جب گورنر جنرل کسی ایسے قانون کی منظوری نہ دینا چاہے۔ تو وہ تحریر میں اس نامنظوری کے وجوہ سے گورنر کو مطلع کرے گا۔

۴۱۔ گورنر جنرل اگر کسی قانون کو منظور کر چکا ہو تو بھی ملک معظم با جلاس کونسل کے لئے یہ قانوناً جائز ہوگا کہ وہ اس قانون کو نامنظور فرمادیں۔

۴۲۔ جب کسی قانون کو اس طرح نامنظور کیا جائے تو گورنر فوراً اس کی نامنظوری کا اعلان کر دے گا اور تاریخ اعلان سے یہ قانون کالعدم سمجھا جائے گا۔

صوبہ کی قوت عاملہ

۴۳۔ صوبہ کی قوت عاملہ کا حامل گورنر ہوگا۔ جو صوبہ کی مجلس عاملہ کے مشورہ سے کام کریگا۔

۴۴۔ ہر صوبہ کے لئے ایک مجلس عاملہ ہوگی جس میں زیادہ سے زیادہ ۵ وزرا رہوں گے جنکا تقرر گورنر کرے گا۔

۴۵۔ مجلس عاملہ کے تقرر میں گورنر وزیر خاص کا انتخاب کرے گا اور باقی وزرا کا تقرر اسی وزیر خاص کے مشورہ سے کرے گا۔

عدل

۴۶۔ ایک عدالت عالیہ (Supreme Court) جسکے اختیارات پارلیمنٹ طے کرے گی۔ یہ عدالت اعلیٰ ایک لارڈ پریسیڈنٹ اور اتنے اور ججوں پر مشتمل ہوگی جو پارلیمنٹ مقرر کرے

۴۷۔ دولت مشترکہ کا لارڈ پریسیڈنٹ اور دولت مشترکہ کی عدالت اعلیٰ کے تمام دوسرے جج جنکا تقرر قیام دولت مشترکہ کے بعد ہوگا۔ وہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے مقرر ہوں گے۔ انہیں وہ معاوضہ ملے گا۔ جو پارلیمنٹ مقرر کرے۔ ان کے دوران کارکردگی میں اس معاوضہ میں کمی نہ کیجائے گی۔

۴۸۔ دولت مشترکہ کا لارڈ پریسیڈنٹ اور دولت مشترکہ کی عدالت عالیہ کے دوسرے جج اپنے عہدہ سے سوائے اس صورت کے نہیں ہٹائے جاسکتے کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل انھیں اس وقت

برخاست کردے کہ ایک ہی اجلاس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کیطرف سے عرضداشت پیش ہو کہ بدعلمی یا نالایقی کی بنیاد پر ان میں سے کسی کو ہٹا دیا جائے

۴۹ - عدالت عالیہ کو ان تمام معاملات میں ابتدائی اختیار ہو گا۔

(الف) جنہیں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل دفعہ ۵۵ کے ماتحت عدالت عالیہ میں بھیجے۔

(ب) جنہیں دولت مشترکہ فریق ہو یا مستغیث یا مستغاث علیہ دولت مشترکہ کی طرف سے فریق ہو۔

(ج) جنہیں قنصلوں اور دیگر ممالک کے دوسرے نمائندوں سے واسطہ ہو۔

(د) جو صوبوں کے مابین ہوں

(ہ) جو دستور اساسی سے پیدا ہوں یا جنہیں دستور کی تاویل و توضیح درکار ہو۔

۵۰ - عدالت عالیہ کو ان مستثنیات کے ساتھ اور ایسے ضوابط کے ماتحت جو پارلیمنٹ مقرر کردے ان تمام فیصلوں، ڈگریوں، احکام اور سزاؤں کے خلاف مرافعہ سنے اور فیصل کرنے کا اختیار ہو گا:-

(الف) جو کسی جج یا ججوں نے عدالت عالیہ کے ابتدائی اختیارات کے سلسلہ میں صادر کئے ہوں

(ب) جو صوبہ کے کسی ہائی کورٹ نے یا کسی صوبہ کی کسی ایسی دوسری عدالت نے صادر کئے ہوں۔ جنکا مرافعہ دولت مشترکہ کے قیام سے پہلے ملک معظم بہ اجلاس کونسل کے سامنے پیش ہونا چاہیئے تھا۔

۵۱ - ان تمام معاملات میں عدالت عالیہ کا فیصلہ قطعی اور لازمی ہو گا اور اس پر کسی دوسری عدالت، ٹربونل، یا صاحب اختیار کی طرف سے نظر ثانی نہ ہو گی نہ ہو سکیگی

ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمتمیں مرافعہ

۵۲ (الف) دولت مشترکہ اور کسی صوبہ یا صوبوں کے مابین دستوری اختیارات کی حدود کے متعلق یا کسی دو یا دو سے زائد صوبوں کے مابین دستوری اختیارات کے متعلق جو سوالات کسی طرح

بھی پیدا ہوں ان کا جو فیصلہ عدالت عالیہ کرے گی اس کا مرافعہ ملک معظم بہ اجلاس کونسل کے سامنے پیش نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس صورت کے کہ عدالت عالیہ خود اس مسئلہ کے متعلق یہ تصدیق کر دے کہ اس کا فیصلہ ملک معظم بہ اجلاس کونسل ہی کو کرنا چاہئے۔

(ب) اگر کسی خاص وجہ سے عدالت عالیہ مطمئن ہو کہ ایسا صداقت نامہ دیدینا چاہئے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اور اس کے بعد بلا مزید اجازت کے اس مسئلہ پر مرافعہ ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں پیش ہو سکتا ہے۔

(ج) پارلیمنٹ ایسے قوانین بنا سکتی ہے جن سے ان معاملات کو محدود کر دیا جائے جن میں اس قسم کی اجازت طلب کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ان قوانین سے کسی ایسے حق میں نقصان نہ پیدا ہوتا ہو جو ملک معظم از روئے شاہی اس لئے استعمال فرماتے ہوں کہ عدالت عالیہ سے ملک معظم باجلاس کونسل کے سامنے مرافعہ پیش کرنے کی خاص اجازت مرحمت فرمائیں۔

ہائی کورٹ:- ہیئت ترکیبی

۵۳۔ اس قانون میں جن ہائی کورٹوں کا ذکر ہے ان سے مراد ہائی کورٹ عدالت ہیں۔ جو فی الوقت برطانوی ہند میں قائم ہوں۔

۵۴۔ ہر ہائی کورٹ میں ایک چیف جسٹس ہوگا اور اتنے اور جج جتنے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مناسب سمجھکر مقرر کر دے ان شرائط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر جنرل باجلاس کونسل کسی شخص کو مطلوبہ مدت کے لئے کسی ہائیکورٹ کا ایڈیشنل (اضافی) جج مقرر کر سکتا ہے، لیکن یہ مدت ۲ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اور جن ججوں کا تقرر اس طریق پر ہوگا۔ انہیں اپنے دوران ججی میں وہ تمام اختیارات ہوں گے جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے مقرر کردہ ہائی کورٹ کے ججوں کو ہوتے ہیں۔

(ب) کسی ہائی کورٹ کے ججوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد چیف جسٹس کو ملا کر ۲ ہوگی۔

۵۵۔ ہائی کورٹ کے جج کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کم سے کم دس سال تک کسی ہائی کورٹ میں وکالت کر چکا ہو۔ لیکن لازم ہوگا کہ اس دفعہ سے ان ججوں کے برسرکار رہنے پر کوئی اثر نہ پڑے گا جو اس قانون کے وقت ان عہدوں پر مامور ہیں۔

۵۶۔ (الف) ہائی کورٹ کا ہر جج اسوقت تک اپنے عہدہ پر مامور رہیگا جبتک وہ نیک چلن رہے
(ب) ہر ایسا جج اپنے عہدہ سے صوبہ کی حکومت کو استعفا دے سکتا ہے۔

۵۷۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور دوسرے ججوں کو ان کے عہدہ سے صرف گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل صوبہ کی مجلس قانون ساز کی عرضداشت پر ہٹا سکتا ہے۔

۵۸۔ (الف) گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مشاہروں، بھتّوں، رخصتوں، پنشنوں کا تعین کر سکتا اور ان میں تغیر کر سکتا ہے لیکن اس قسم کے کسی تغیر سے کسی ایسے جج کے مشاہرہ پر اثر نہیں پڑ سکتا جسکا تقرر تغیر کی تاریخ سے پہلے ہو چکا ہو۔
(ب) اس دفعہ کے ماتحت کسی جج کا جو معاوضہ مقرر ہوگا وہ اسوقت شروع ہوگا۔ جب وہ اپنے ذمہ اپنے عہدہ کے فرائض کی انجام دہی لے لے۔

۵۹۔ (الف) اگر کسی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی جگہ خالی ہو جائے یا چیف جسٹس غیر حاضر ہو تو صوبہ کی حکومت اس ہائی کورٹ کے کسی جج کو اس عدالت میں چیف جسٹس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے اسوقت تک کے لئے مقرر کر دیگی جب تک گورنر جنرل چیف جسٹس کے عہدہ پر کسی شخص کا تقرر نہ کر دے۔ اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام نہ دینے لگے۔ یا چیف جسٹس غیر حاضری سے واپس نہ آ جائے۔

(ب) اگر ہائی کورٹ کے کسی اور جج کی جگہ خالی ہو جائے یا ایسا کوئی جج غیر حاضر ہو۔ یا کسی جج کو چیف جسٹس کا کام کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ تو صوبہ کی حکومت کسی ایسے شخص کو مقرر کر سکتی ہے جس میں وہ صفات موجود ہوں جو ہائی کورٹ میں تقرر کے لئے ضروری ہیں۔ ایسا شخص ہائی کورٹ میں اسوقت تک بیٹھیگا اور جج کے فرائض انجام دیگا جب تک کہ گورنر جنرل بہ اجلاس

کونسل عہدہ جج پر کسی شخص کا تقرر نہ کر دے۔ اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام نہ دینے لگے۔ یا غیر حاضر جج واپس نہ آجائے۔ یا صوبہ کی حکومت کو اس کی کوئی وجہ نہ ہو کہ وہ قائم مقام جج کے تقرر کو منسوخ کر دے۔

اختیار سماعت

۷۰۔ (الف) مختلف ہائی کورٹ رکارڈ کی عدالتیں ہوں گی اور انہیں ایسے ابتدائی اور مرافعہ کا اختیار سماعت ہوگا۔ نیز ان جرائم کے متعلق جنکا ارتکاب سمندر پر عمل میں آئے۔ انہیں امارت بحری کے اختیارات ہوں گے۔ اور انتظام وانصرام عدل کے سلسلہ میں ان کو تمام وہ اقتدار اور اختیار ہوگا جو انہیں فرمان شاہی (Letters Patent) کے ذریعہ دیا جائے جسمیں عدالت کے محرروں اور دوسرے انتظامی عہدہ داروں کے تقرر کا اختیار بھی شامل ہوگا۔ اور اس لٹرس پٹینٹ کے شرائط کے ماتحت انہیں وہ تمام اختیارات بھی حاصل ہوں گے جو ان عدالتوں کو اس قانون کے نفاذ کے وقت حاصل تھے

(ب) جس فرمان شاہی سے کوئی ہائی کورٹ قائم ہو۔ یا اس کی وسعت اختیار سماعت کا تعین کیا جائے، یا اسے اختیار واقتدار دیا جائے۔ اسمیں وقتاً فوقتاً دوسرے فرمان شاہی سے ترمیم ہو سکتی ہے۔

۷۱۔ ہر ہائی کورٹ ان تمام عدالتوں پر نگرانی کرے گا جو فی الوقت اس کے اختیار سماعت مرافعہ کے حلقہ میں واقع ہوں۔ اور مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی کر سکتا ہے۔ یعنی۔

(۱) کیفیت طلب کر سکتا ہے۔

(۲) کسی مقدمہ یا مرافعہ کو کسی ایسی عدالت سے اتنے ہی یا اس سے برتر اختیارات والی عدالت میں منتقل کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔

(۳) ان عدالتوں کی کارروائی کو منضبط کرنے کے لئے عام قواعد اور فارم معین کر کے جاری

کرسکتا ہے۔

(۴) وہ فارم مقرر کرسکتا ہے جن میں ان عدالتوں کے عہدہ دار اپنی کتابیں، اندراجات اور حسابات رکھیں۔

(۵) ان فیسوں کا نقشہ طے کرسکتا ہے جو شریف، اٹارنی، اور عدالت کے تمام محرروں اور عہدہ داروں کو دی جائیں۔

بشرطیکہ یہ قواعد فارم، اور نقشے کسی قانون رائج الوقت کے دفعات کے منافی نہ ہوں۔ اور صوبہ کی حکومت سے پہلے ان کی منظوری لے لی جائے۔

۶۲ (الف) ہر ہائی کورٹ خود اپنے قواعد کے ذریعہ جس طرح وہ مناسب خیال کرے اپنے مفروضہ اختیارات ابتدائی اور اختیارات مرافعہ کو اپنے کسی ایک یا چند ججوں کے سپرد کرسکتا ہے۔

(ب) ہر ہائی کورٹ کا چیف جسٹس یہ بات طے کرے گا کہ کون سا جج تنہا مقدمہ کی سماعت کرے گا۔ اور کن کن ججوں سے بشمول یا بلا شمول چیف جسٹس مختلف ڈویژن کورٹ مرتب ہونگے۔

۶۳۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ اپنے حکم کے ذریعہ کسی مقام یا حلقہ کو ایک ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار سے کسی دوسرے ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار میں منتقل کردے۔ اور وہ کسی ہائیکورٹ کو مجاز کرسکتا ہے کہ وہ اپنے تمام یا بعض اختیارات کو برطانوی ہند کے کسی ایسے حصہ میں بھی استعمال کرے جو اس علاقہ میں شامل نہیں جسکے لئے یہ ہائی کورٹ قائم کیا گیا تھا۔ اور اپنے اختیارات کو برطانوی رعایا کے کسی ایسے شخص کے متعلق بھی استعمال کرے جو ہندوستان کے کسی ایسے حصہ میں ہو جو حدود دولت مشترکہ سے باہر ہے۔

۶۴۔ (الف) گورنر جنرل، ہر گورنر، اور دولت مشترکہ یا صوبوں کی مجلس عاملہ کا ہر رکن کسی مشورہ، حکم یا عمل کیوجہ سے جو انہوں نے اپنی پبلک حیثیت میں دیا یا کیا ہو کسی ہائیکورٹ کے ابتدائی مرافعہ یا نظرثانی کے اختیارات کے تحت میں نہ ہوگا۔

(ب) یہ استثنا ۔ مختلف ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس اور دوسرے ججوں کو بھی حاصل ہوگا۔

۶۵۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو فرمان کے ذریعہ دولت مشترکہ کے کسی علاقہ میں ایک ہائی کورٹ قائم کر دے چاہے یہ علاقہ کسی دوسرے ہائیکورٹ کے حلقہ اختیار میں شامل ہو یا نہ ہو اور وہ مجاز ہوگا کہ کسی ایسے قائم شدہ ہائی کورٹ کو تمام وہ اقتدار واختیار تفویض کر دے جو اس قانون کے نفاذ کے وقت کسی ہائی کورٹ کو حاصل تھے یا عطا کئے گئے تھے ۔ اور جب کوئی ایسا ہائی کورٹ کسی ایسے علاقہ میں قائم ہو جو پہلے کسی دوسرے ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار میں شامل تھا تو گورنر جنرل فرمان کے ذریعہ ان حدود کو تبدیل کر سکتا ہے ۔ اور اس تبدیلی کی وجہ سے جو ضمنی، ذیلی، اور اضافی شرائط ضروری معلوم ہوں وہ بنا سکتا ہے۔

ایڈووکیٹ جنرل

۶۶۔ صوبہ کی حکومت ہر صوبہ کے لئے ایک ایڈووکیٹ جنرل مقرر کر سکتی ہے ۔ اور جب ایڈووکیٹ جنرل کا عہدہ خالی ہو، یہ ایڈووکیٹ جنرل غیر حاضر ہو۔ یا کبھی سرکاری کام پہ کہیں بھیجا گیا ہو۔ تو یہ کسی دوسرے شخص کو اس کی قائم مقامی کے لئے مقرر کر سکتی ہے ۔ جو شخص اس طرح مقرر کیا جائے وہ اس وقت تک ایڈووکیٹ جنرل کے اختیارات رکھے گا جب تک کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کسی دوسرے شخص کو اس عہدہ پر مقرر نہ کر دے اور وہ اپنے فرائض کی انجام دہی شروع نہ کر دے ۔ یا جب تک ایڈووکیٹ جنرل غیر حاضری یا کام سے واپس نہ آجائے (ان میں سے جو صورت بھی ہو)) یا جب تک کہ صوبہ کی حکومت مقامی تقرر کو منسوخ نہ کر دے۔

ملکیت، آمد ملکی اور بالیات

۶۷۔ تمام حقوق ملکیت جو ملک معظم، یا وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کو قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء

۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۹ء کی رو سے حاصل ہیں، یا جو اس املاک یا حقوق سے پیدا ہوتے ہیں جو ان کو حاصل ہیں۔ وہ سب گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو حاصل ہوں گے۔

۶۸۔ ہندوستان کی تمام آمدنی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے سپرد ہوگی۔ اور وہ اُسے اس قانون کی شرائط کے ماتحت صرف دولت مشترکہ کے اغراض کے لئے استعمال کرے گا۔

۶۹۔ اس قانون کے اندر اصطلاح "ہندوستانی آمدنی" میں برطانوی ہند کی تمام ملکی آمدنی اور دوسری آمدنی شامل ہے اور وہ آمدنی جو برطانوی ہند میں ہوتی ہے اور خصوصاً۔

(الف) کسی علاقہ کے متعلق تمام خراج اور دوسری رقمیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو یا اسکے نمایندوں کو اس صورت میں ملتیں کہ قانون حکومت ہند ۱۸۵۸ء نافذ نہ ہوا ہوتا۔

(ب) تمام جرمانے اور تاوان جو برطانوی ہند کی کسی عدالت کے فیصلہ یا حکم کی بنا پر وصول ہوں۔ اور منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی ضبطیاں جو برطانوی ہند میں کسی جرم کی بنا پر عمل میں آئیں۔

(ج) برطانوی ہند میں تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد جو وارث یا جانشین نہ ہونے کی وجہ سے اور تمام جائداد جو کسی حقدار کے نہ ہونے کی وجہ سے بحق سرکار ضبط کرلیجائے۔

۷۰۔ پارلیمنٹ ریلوے اور بندرگاہ فنڈ قائم کرے گی جس میں وہ تمام آمدنی داخل ہوگی جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ریلوے، ڈاک اور بندرگاہوں کے محکموں سے ہو۔ اور اس فنڈ کو پارلیمنٹ ریلوے، ڈاک، اور بندرگاہوں کے کاموں کے لئے ان شرائط کے ساتھ اور اس طریقہ سے تصرف میں لائے گی جسے وہ خود متعین کرے۔ ایک مجموعی آمدنی کا فنڈ بھی ہوگا جس میں باقی تمام آمدنی داخل ہوگی جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو وصول ہو اور اس فنڈ کو پارلیمنٹ دولت مشترکہ کے کاموں کے لئے اس طریقہ سے تصرف میں لائیگی جو اس قانون میں متعین کیا گیا ہے یا ان قواعد کی رو سے جو اس غرض کے لئے بنائے جائیں۔ اور اس بار کے ماتحت جو ان قواعد سے عائد ہو۔

۱۷۔ صرف ہندوستان کی آمد ملکی پر مندرجہ ذیل بار ہوں گے۔

(الف) ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام قرضے

(ب) تمام رقمیں، خرچے، مطالبات، اخراجات جو ان صلحناموں، معاہدوں، اقرارناموں، معافیوں یا مالی ذمہ داریوں کی بابت جو اس قانون کے نفاذ کے وقت قائم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کی آمد ملکی سے دینے ہوتے۔ اگر قانون حکومت ہند ۱۸۵۸ء و قانون حکومت ہند ۱۹۱۵ء، مرممہ قانون حکومت ہند ۱۹۱۹ء نافذ نہ ہوتے۔

(ج) تمام اخراجات قرضے اور مالی ذمہ داریاں جو حکومت ہند نے قانوناً اپنے ذمہ لی ہیں۔

(د) اس قانون کے ماتحت تمام اور مطالبات اور ادائیگیاں (سوائے ان کے جنکے لئے اس قانون میں کوئی دوسرا طریقہ تبلایا گیا ہے)

۲۷۔ (الف) دولت مشترکہ کے قیام کے جسقدر جلد بعد ممکن ہو گورنر جنرل با اجلاس کونسل ایک کمیشن مقرر کرے گا جو ہر صوبہ کے ایک ایک نمائندہ اور دولت مشترکہ کے .... نمایندوں پر مشتمل ہو گا۔ اور جس کی صدارت دولت مشترکہ کا ایک عہدہ دار کرے گا۔ یہ کمیشن مندرجہ ذیل امور کی تحقیقات کرے گا:۔

(۱) آمدنی کے کون کون سے ذرایع دولت مشترکہ کو، اور کون ذرایع صوبوں کی حکومت کو ان خدمات اور امور کے حسن انتظام اور ترقی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو ان کے تحت میں ہیں تفویض کئے جائیں۔

(۲) دولت مشترکہ اور صوبوں کی حکومتوں میں کیا مالی تعلقات ہوں۔

(۳) اور ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں۔

(ب) مذکورہ کمیشن ایک کمیٹی مقرر کرے گا، جو دولت مشترکہ کی بری، بحری اور ہوائی افواج کے لئے عہدہ داروں کی تعلیم اور فوجی تعلیم کے لئے مدرسوں اور کالجوں کی ضروری تعداد

کے قیام کے متعلق تمام مسئلہ کی تحقیقات کرے گا۔

(ج) یہ کمیشن کمیٹی کو رپورٹ دیگا کہ ایسے مدرسوں اور کالجوں کی کتنی تعداد درکار ہے، ان کے لئے کیا اسٹاف چاہیے ہوگا، وہ کہاں قائم کئے جائیں، اور ان میں سے ہر ایک میں جو تعلیم دیجائے اس کا معیار کیا ہو، اور ان مدرسوں اور کالجوں کے قیام کے ابتدائی مصارف اور ان کو قائم رکھنے کے خرچ کا تخمینہ کیا ہوگا۔

(د) مذکورہ کمیشن ایک کمیٹی اس غرض سے بھی مقرر کرے گا کہ وہ تحقیقات کرکے رپورٹ دے کہ دولت مشترکہ میں عام ابتدائی تعلیم رائج کرنے کے لئے اور پس ماندہ گروہوں کو خاص تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے کیا کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔

(ہ) اس کمیشن کو اختیار ہوگا کہ اپنی تحقیقات کے لئے جن اور کمیٹیوں کی ضرورت سمجھے۔ انہیں مقرر کرے۔

(و) مذکورہ کمیشن گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو معاملات مندرجہ شق (الف) پر رپورٹ دے گا۔ اور اس امر کے بابت کہ معاملات مندرجہ شق (ب) (ج) (د) کے متعلق دولت مشترکہ اور صوبوں کی آمدنی پر کم سے کم کیا بار پڑنا چاہیئے، خاص سفارشات کرے گا۔

۷۳۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کمیشن کی کل رپورٹ کو مع اس کی سفارشات کے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے گا۔ تاکہ اس کی بابت مناسب قانون بنا دیا جائے یا جو کارروائی وہ مناسب سمجھے کرے۔

۷۴۔ اس تحقیقات کی تکمیل تک اور جب تک کہ پارلیمنٹ دفعہ ۷۸ کے ماتحت کوئی کارروائی نہ کرے موجودہ ذرائع آمدنی اور موجودہ تعلقات مالی قائم و برقرار رہیں گے۔

تحفظ ملکی

۷۵ (الف) گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل تحفظ ملکی کی ایک کمیٹی مقرر کرے گا جو مندرجہ ذیل

اشخاص پر مشتمل ہوگی۔

(۱) وزیر اعظم (۲) وزیر تحفظ ملکی (۳) وزیر امور خارجہ (۴) سپہ سالار اعلیٰ کمانڈر ان چیف
(۵) سپہ سالار افواج ہوائی (۶) امیر افواج بحری (۷) جنرل اسٹاف کا سردار اعلیٰ اور دو اور
ماہرین فن حرب۔

(ب) وزیر اعظم اس کمیٹی کا صدر ہوگا اور اس کمیٹی کے ساتھ ایک مستقل عملہ ہوگا جس میں ایک
معتمد (سکرٹری) بھی شامل ہوگا۔

(ج) اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ حکومت اور مختلف محکموں کو تحفظ ملکی کے مسائل کے متعلق
اور عام مسائل حکمت عملی کے متعلق مشورہ دے۔

(د) اس کمیٹی کے تقرر کے فوراً ہی بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اس سے مشورہ لیگا
کہ آیا تحفظ ہند پر اثر ڈالے بغیر تحفظ ملکی کے مصارف میں تخفیف ممکن ہے۔ اور اس کے کیا وسائل
و ذرائع ہیں۔ تخمینے اس کمیٹی کی سفارشات کے بموجب تیار کئے جائیں گے۔

۷۶۔ "تحفظ ملکی" کے تحت میں آمدنی اور رقموں کے تصرف کی بابتہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل
کی تجاویز کو دارالمندوبین کی رائے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

۷۷۔ بلالحاظ اس کے کہ گذشتہ بالا دفعات میں کوئی چیز اس کے خلاف ہے، ہندوستان
پر باہر سے کسی بری، بحری، یا ہوائی حملہ کی صورت میں یا اگر وہ مطمئن ہو جائے کہ اس قسم کے حملہ کا معقول
اندیشہ ہے۔ تو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایسے اخراجات کی اجازت دے سکتا ہے جو برطانوی ہند یا
اس کے کسی حصہ کے تحفظ کے لئے ضروری ہوں۔ گورنر جنرل جب ایسی کوئی کارروائی کرے تو اسکی
اطلاع فوراً مجلس قانون ساز کو دیگا اگر اس کا اجلاس ہو رہا ہو۔ ورنہ اگر اجلاس نہ ہوتا ہو تو اس کی
اطلاع ایک خاص اجلاس کو دے گا جو جس قدر جلد ممکن ہو بلایا جا سکے گا۔

۷۸۔ کوئی تجویز جس سے بری، بحری، یا ہوائی افواج کے نظم یا قیام پر اثر پڑتا ہو۔ اسوقت
تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کی جا سکتی جب تک تحفظ ملکی کی وہ کمیٹی اس کی سفارش نہ کرے جو اس

دستور کے ماتحت مقرر کی گئی ہو۔

سول ملازمتیں

۷۹۔ اگلی دفعہ کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خدمات عامہ پر مامور تمام عہدہ دار، دولت مشترکہ کے قیام کے ساتھ دولت مشترکہ کے عہدہ دار بن جائیں گے۔

۸۰۔ دولت مشترکہ کے قیام کے جسقدر جلد بعد ہوسکے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کرے گا۔ تاکہ وہ خدمات عامہ کے مختلف محکموں کی ضروری از سر نو ترتیب و تنظیم کے لئے سفارشات پیش کرے۔

۸۱۔ پارلیمنٹ ہندوستان میں سول ملازمتوں کی تقسیم، ان میں بھرتی کے طریقوں اور ذرائع، ان میں خدمت، تنخواہ، اور چھٹیوں کے شرائط، اور ڈسپلن اور چال چلن کے متعلق قانون بنائیگی۔ جن معاملات میں اور جس حد تک پارلیمنٹ مناسب سمجھے، وہ ان قوانین کے ماتحت قواعد بنانے کے حق کو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل یا صوبہ کی حکومتوں کو منتقل کرسکتی ہے۔

۸۲۔ (الف) دولت مشترکہ کے قیام کے بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایک مستقل پبلک سروس کمیشن قائم کرے گا اور اسے سرکاری عہدہ داروں کی بھرتی، تقرر، ڈسپلن، علیحدگی اور پنشن دینے کے متعلق وہ اختیارات اور فرائض تفویض کئے جائیں گے۔ جو پارلیمنٹ متعین کرے۔

(ب) مستقل پبلک سروس کمیشن کے ارکین تاریخ تقرر سے پانچ سال تک اپنے عہدہ پر فائز رہیں گے

۸۳۔ سرکاری ملازمتوں میں اگر کوئی عہدہ دار دولت مشترکہ کے قیام کے تین سال کے اندر اپنی ملازمت سے علیحدہ ہونا چاہے۔ یا دولت مشترکہ اسے اپنی ملازمت میں نہ رکھے۔ تو اُسے پنشن، بخشش و انعام یا دیگر معاوضوں کا ویسا ہی حق ہوگا۔ جیسے کہ اس قسم کے حالات میں استحقاق

ہوتا کہ دولت مشترکہ قائم نہ ہوئی ہوتی۔

فوجی ملازمتیں

۸۴۔ تمام عہدہ دار، برطانوی ہوں، یا ہندوستانی، جو ہندوستانی فوج، بیڑہ شاہی انڈین مرین، یا ہوائی افواج میں ملازم ہوں اور اس نئے دستور کے نفاذ کے وقت ہندوستان میں خدمت کر رہے ہوں، ان کے جملہ موجودہ حقوق بابتہ تنخواہ، بھتہ پنشن برقرار رہیں گے۔ یا اگر ان میں سے کسی میں نقصان ہوگا تو انہیں اس کی تلافی میں معاوضہ دیا جائیگا۔ جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل قرین عدل و انصاف متصور کرے یا جو انہیں ایسے ہی حالات میں اسوقت ملتا کہ یہ دولت مشترکہ قائم نہ ہوتی۔

علاوہ بریں، تمام ان عہدہ داروں کو، برطانوی ہوں، یا ہندوستانی جنھیں اس نئے دستور کے نفاذ کے وقت پنشن مل رہی تھی۔ وہی پنشن مالگذاری ہند سے ملتی رہے گی۔

ہندوستانی ریاستیں

۸۵۔ ہندوستانی ریاستوں کے معاملہ میں دولت مشترکہ کو تمام وہ حقوق حاصل ہوں گے اور دولت مشترکہ تمام وہ ذمہ واریاں پوری کرے گی۔ جو عہدناموں، اور کسی اور طریقہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور جو ابتک حکومت ہند کو حاصل تھے اور جو حکومت ہند پوری کرتی تھی۔

دولت مشترکہ اور کسی ہندوستانی ریاست میں اگر کسی ایسے معاملہ کے متعلق اختلاف ہو۔ جو صلحناموں، عہدناموں، سندوں، یا اسی قسم کے دستاویزات سے پیدا ہوا ہو تو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل متعلقہ ریاست کی رضامندی سے اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے عدالت عالیہ کے سامنے بھیج دے گا۔

نئے صوبے

۸۶۔ صوبوں کی از سر نو تقسیم زبان کی بنیاد پر ہوگی جب علاقہ کی آبادی کی اکثریت اسکا مطالبہ کرے۔ بشرطیکہ انتظامی اور مالی مصالح اجازت دیں۔

ترمیم دستور

۸۷۔ پارلیمنٹ قانون کے ذریعہ اس دستور کی کسی دفعہ کو منسوخ یا تبدیل کر سکتی ہے بشرطیکہ جو مسودہ قانون اس تنسیخ یا ترمیم کے لئے پیش کیا جائے وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں منظور ہو۔ اور جب تیسری مرتبہ اسے پیش کیا جائے تو دونوں ایوانوں کے کل اراکین کی کم سے کم ⅔ تعداد اس کے موافق ہو۔ جو مسودہ قانون ایسے مشترکہ اجلاس میں منظور ہوگا۔ اس کے متعلق سمجھا جائے گا کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کیا ہے**۔

فرقہ وارانہ اور دیگر متنازعہ فیہ امور کے متعلق ہماری سفارشیں مندرجہ ذیل ہیں۔

فرقہ وارانہ نیابت***

۱۔ دار المندوبین اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے لئے مشترک مخلوط حلقہ ہائے انتخاب ہوں گے۔

۲۔ دار المندوبین میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہوگا۔ سوائے مسلمانوں کے لئے اُن صوبوں میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ اور صوبہ سرحدی میں غیر مسلموں کے لئے۔ یہ نشستوں کا

** آل پارٹیز کانفرنس نے اس دفعہ کو کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے پاس بغرض ترمیم بھیج دیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرارداد نمبر ۲

*** ان سفارشات میں سے بعض کو کانفرنس نے بدل دیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرارداد ۳ و ۵

تحفظ ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ٹھیک مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے اور ہر صوبہ سرحدی میں غیر مسلم آبادی کے تناسب سے ہوگا۔ جہاں نشستیں محفوظ کی جائیں وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اور مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کرنے کا حق ہوگا۔

۳۔ صوبوں میں (الف) پنجاب اور بنگال میں کسی قوم کے لئے نشستوں کا تحفظ نہ ہوگا۔

(ب) پنجاب اور بنگال کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کے لئے ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں محفوظ ہوں گی اور انہیں مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کا حق ہوگا۔

(ج) صوبہ سرحدی میں غیر مسلموں کی نشستیں اسی طرح محفوظ ہوں گی۔ اور انہیں بھی مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کا حق ہوگا۔

۴۔ جہاں کہیں نشستوں کے تحفظ کی اجازت ہوگی وہ دس سال کی مقررہ مدت کیلئے ہوگی۔

صوبوں کی نئی تقسیم اور ان کا درجہ ٭٭٭٭

۵۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کردیا جائے۔ اور مالی کیفیت کے متعلق ضروری تحقیقات کے بعد اسے علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

۶۔ علاوہ ان چھوٹے جزیروں کے جو میسور کے علاقہ کے دوسری طرف ہیں، کرناٹک کے حصے بھی اسی طرح ان صوبوں سے علیحدہ کر لئے جائیں جن میں وہ اسوقت شامل ہیں۔ اور انکو بھی ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

۷۔ صوبہ سرحدی میں اور تمام ان نئے صوبوں میں جو دوسرے صوبوں سے علیحدہ

٭٭٭٭ کانفرنس نے صوبوں کی نئی تقسیم کے متعلق ایک مفصل تجویز منظور کی جو سندھ کی علیحدگی کی بابت تھا جس کا اوپر ذکر ہے اور دفعہ ۷ میں صوبہ سرحدی کے بعد بلوچستان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ریزولیوشن ۵ و ۱۲۔

ہوکر بنائے جائیں گے حکومت کی شکل وہی ہوگی - جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ہو۔

موتی لال نہرو

علی امام

تیج بہادر سپرو

ام ۔ اس ۔ آنے

منگل سنگھ

شعیب قریشی*

سوبھاس چندر بوس

جی آر پردھان

---

*بدقسمتی سے مسٹر شعیب قریشی کمیٹی کے آخری جلسہ میں شریک نہ ہو سکے جس میں رپورٹ کے مسودہ پر غور کیا گیا تھا لیکن مسودہ ان کی خدمت میں بھیجدیا گیا تھا اور انہوں نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ تیسرے باب کی سفارشات کے متعلق انکا خیال ہے کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستیں محفوظ ہونی چاہئیں اس کے علاوہ وہ لکھتے ہیں کہ "جولائی کے نجی مشورہ میں جو قرارداد منظور ہوئی تھی اس سے میں اتفاق کرتا ہوں لیکن اس کی موافقت میں جو اعداد اور دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سب کو تسلیم نہیں کرتا۔

سر علی امام، مسٹر سبھاس چندر بوس، اور مسٹر جی - آر پردھان بھی کمیٹی کے آخری جلسہ میں شرکت نہ کر سکے لیکن مسودہ کو پڑھنے کے بعد انہوں نے رپورٹ سے اتفاق کی اطلاع دی

نجی کانفرنس اور اس کے بعد کے حالات پر ایک نوٹ

نجی کانفرنس کی قرارداد جس کا ذکر رپورٹ کے ص ۲۰ پر کیا گیا ہے، ۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو منظور ہوئی تھی۔ اس پر ڈاکٹر مختار احمد انصاری، پنڈت موتی لال نہرو۔ پنڈت مدن موہن مالویہ، سر علی امام۔ سر تیج بہادر سپرو اور ابو الکلام آزاد اسچدانند سنہا۔ سی۔ وائی۔ چنتامنی۔ تصدق احمد خان شروانی منگل سنگھ۔ محمد شفیع داؤدی۔ ایم۔ ایس۔ آنے۔ سیف الدین کچلو۔ سبھاش چندر بوس۔ شعیب قریشی۔ خلیق الزماں۔ ڈی۔ آر۔ رنجیت سنگھ۔ سید محمود۔ عبد المجید خواجہ اور جواہر لال نہرو صاحبان کے دستخط ثبت تھے۔ بعض اور صاحبان نے بھی جو موجود تھے اس قرارداد سے اتفاق کیا۔ لیکن جب دستخط لئے گئے ہیں اسوقت وہ تشریف لیجا چکے تھے

اس قرارداد پر بعد ازاں آل پارٹیز کمیٹی نے چند دیگر غیر ممبر اصحاب کے ساتھ جو مدعو کئے گئے تھے غور کیا۔ کمیٹی کی روئداد میں سے بعض اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۷ جولائی کی کمیٹی کی روئداد سے اقتباسات

صبح کا جلسہ

حاضرین۔

پنڈت موتی لال نہرو۔

مسٹر ایس۔ ایم۔ آنے

مسٹر شعیب قریشی۔

سردار منگل سنگھ

مسٹر سوبھاش چندر بوس

مندرجہ ذیل غیر اراکین بھی دعوت پر شریک جلسہ تھے۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

مولانا ابوالکلام آزاد

مسٹر تصدق احمد خاں شیروانی

مسٹر محمد شفیع داؤدی

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

ڈاکٹر سید محمود داود

مسٹر جواہر لال نہرو۔

مسلم اقلیت کے لئے مرکزی جماعت قانون ساز میں نشستیں محفوظ کرنے کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ مگر یہ بیان کیا گیا کہ گذشتہ دن کے متحدہ فیصلہ (اول حصہ) کے بعد اس قسم کا تحفظ اقلیتوں کے لئے بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا کہ بلا تحفظ کے یہ اغلب ہے کہ پانچسو اراکین کی مجلس قانون ساز میں صرف ۳۰ یا چالیس مسلمان منتخب ہوں گے۔ یہی نتیجہ ان صوبوں میں ہوگا جہاں مسلمان ایک چھوٹی اقلیت میں ہیں تجویز پیش ہوئی کہ اس مشکل کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کے لئے مرکزی اور صوبہ کی مجالس قانون ساز میں نشستوں کا تحفظ کر دیا جائے۔ لیکن اکثریتوں کے لئے نہ کیا جائے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ کل کے متحدہ فیصلہ پر نظر ثانی کیجائے۔ کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور معاملہ شام کے اجلاس کے لئے ملتوی کیا گیا۔

۸ جولائی کی شام کا اجلاس

ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر سید محمود کے سوائے جو لوگ صبح حاضر تھے وہ اسوقت بھی موجود تھے۔ اور سر تیج بہادر سپرو بھی موجود تھے۔

اقلیت کی نمایندگی کا مسئلہ جو صبح کے اجلاس میں ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس پر بحث کی گئی۔ اور یہ متفقہ طور پر منظور رہوا کہ ۷ر جولائی کی غیر رسمی کانفرنس کی قرارداد کے اول حصہ میں اس طرح ترمیم کیجائے کہ جس سے اقلیتوں کے لئے مرکزی مجلس قانون میں آبادی کی بنا پر نشستوں کا تحفظ ہو سکے۔

بعد ازاں چھوٹی اقلیتوں کے لئے صوبہ کی کاؤنسل میں نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ کمیٹی کی یہ استثناء مسٹر شعیب قریشی یہ رائے تھی کہ دلائل جو مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے استعمال کئے گئے تھے وہ اتنی ہی قوت کے ساتھ صوبہ کی مجلس قانون ساز پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں۔ اس رائے کی تائید حاضر الوقت غیر اراکین نے بھی کی۔ اس لئے یہ بات طے ہو گئی کہ آل پارٹیز کانفرنس کو لکھا جائے کہ چھوٹی اقلیتوں کو صوبہ کی قانون ساز جماعت میں اُن کی آبادی کے تناسب سے نشستوں کا تحفظ عطا کیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ اور زیادہ نشستوں کے لئے انتخاب میں مقابلہ کر سکیں۔

نقشہ نمبر ۱

امور متعلقہ مرکزی حکومت

۱۔ دوسرے ممالک اور ہندوستان میں داخلی و خارجی تجارت اور ہندوستان میں تجارتی اور مالی۔ اور پردیسی کارپوریشنوں کا قیام

۲۔ محاصل۔ اُن محاصل کے علاوہ جو اس دستور میں صوبوں یا ان کے حصوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں لیکن بشمول مندرجہ ذیل

سائر۔ مالگذاری۔ آبکاری۔ انکم ٹیکس۔ سوپر ٹیکس۔ کارپوریشن کے نفع پر ٹیکس۔ افیون جس میں کاشت۔ افیون سازی۔ افیون فروشی کی نگرانی شامل ہیں۔ محاصل برآمد۔

۳۔ اشیائے برآمد کی پیداوار پر سرکاری امداد۔

۴۔ دولت مشترکہ کی جائداد۔ مال و املاک اور ساکھ پر قرض لینا۔ دولت مشترکہ کا قرضہ سرکاری۔

۵۔ رواج زر۔ سکہ سازی اور قانونی زر۔

۶۔ بنک کا کام۔ بیمہ۔ اور سیونگ بنک۔ بنکوں کی کمپنی بنانا اور زر کاغذی اور اسٹاک ایکسچینج کا جاری کرنا۔

۷۔ تبادلہ کے پرچے، چک، ہنڈیاں اور پرامیسری نوٹ

۸۔ جہاز سازی۔ اور جہاز رانی۔ اس میں ان داخلی آبی راہوں کے لئے جہاز سازی اور ان پر جہاز رانی بھی شامل ہے جن کی قومی اہمیت کا اعلان کر دیا جائے۔ بندرگاہ۔ بڑے ساحلی شہر، روشنی کے منارے، آکاس دیئے ہلکے جہاز اور لنگرنما۔

۹۔ ریلوے اور سڑکیں جو فوج اور تمام ہندوستان کے لئے اہمیت رکھتی ہوں۔

۱۰۔ ہوائی بیڑا اور اس سے متعلق معاملات

۱۱۔ ڈاک۔ تار۔ اور ٹیلیفون جس میں لاسلکی خبر رسانی اور اس کے مرکز قائم کرنا شامل ہیں۔

۱۲۔ تحفظ ہند اور تمام دیگر معاملات جن کا تعلق دولت مشترکہ کی بحری، بری، یا ہوائی افواج سے ہو۔ اس میں ملیشیا۔ ہندوستانی بحری سروس اور تمام دیگر افواج جو ہندوستان میں بھرتی کیجائیں شامل ہیں۔ لیکن ایسی فوجی اور مسلح پولیس شامل نہیں ہے جس کا بار کفالت تمامتر صوبہ کی حکومت برداشت کرتی ہو۔ بحری اور عسکری تعمیرات اور چھاؤنیاں، فوجی بحری اور ہوائی تعلیم کے لئے اسکول اور کالج۔

۱۳۔ خارجی اور بیرونی تعلقات جس میں ہندوستان کی ریاستوں سے تعلقات اور سیاسی مطالبات بھی شامل ہیں۔ ملکی بنانا۔ سکونت مستقل کا تعین۔ غیر ملکیوں سے برتاؤ راہداری کے پروانے۔ اور ہندوستان سے باہر حج اور زیارت

۱۴۔ ملک سے ہجرت اور ملک میں داخلہ۔

۱۵۔ بندرگاہ کے قرنطینے اور بحری ہسپتال

۱۶۔ دولت مشترکہ کی سرکاری ملازمتیں اور دولت مشترکہ کا پبلک سروس کمیشن۔

۱۷۔ دولت مشترکہ کا محکمہ محاسبی

۱۸۔ سپریم کورٹ آف انڈیا۔ اور ہائی کورٹ کے متعلق قانون سازی

۱۹۔ قانون دیوانی جس میں حیثیت۔ معاہدہ۔ ملکیت۔ مدنی حقوق اور ذمہ داریاں اور ضابطہ دیوانی شامل ہیں۔

۲۰۔ قانون فوجداری جس میں ضابطہ فوجداری اور قوانین اخراج شامل ہیں۔

۲۱۔ دیوالہ اور مفلسی۔

۲۲۔ نکاح۔ طلاق۔ اور معاملات نکاح۔ حق وراثت۔ نابالغوں کی سرپرستی اور ولایت ان کی حیثیت اور سن بلوغ

۲۳۔ حق تصنیف ۔ اخبار اور کتابیں ۔ ایجادوں ۔ ڈیزائنوں اور تجارتی نشانوں کے پیٹنٹ ۔

۲۴۔ دولت مشترکہ کی طرف سے اپنے یا دوسرے اغراض کے لئے حصول اراضی

۲۵۔ قانون رجسٹری دستاویزات

۲۶۔ قانون اندراج پیدائش ۔ موت اور نکاح ۔

۲۷۔ اعداد و شمار اور مردم شماری

۲۸۔ اسلحہ اور گولہ بارود کی نگرانی

۲۹۔ (الف) مٹی کے تیل اور پھٹنے والی چیزوں کی نگرانی ۔

(ب) سمیات کی نگرانی ۔

۳۰۔ اوزان اور پیمانوں کے معیار

۳۱۔ ہندوستان کے سمندروں میں تین میل کی حد سے باہر ماہی گیری کے مقامات

۳۲۔ ہندوستان کی پیمائش ۔ ارضیاتی سروے فلکیاتی اور موسمی مشاہدات ۔

۳۳۔ پارلیمنٹ کے انتخابات ۔

۳۴۔ دولت مشترکہ کی گورنمنٹ کا صدر مقام ۔

۳۵۔ مختلف صوبوں کے باہمی معاملات ۔

۳۶۔ قانون کارخانہ جات ۔

۳۷۔ صنعتی امور ۔

" (الف) مزدوروں کی بہبودی ۔

" (ب) پراویڈنٹ فنڈ ۔

" (ج) صنعتی بیمہ ۔ صحت عامہ ۔ اور حادثات

۳۸۔ کانوں کی نگرانی

۳۹۔ طبی اہلیتیں اور معیار۔
۴۰۔ دولت مشترکہ کے لئے ذخائر اور اسٹیشنری۔
۴۱۔ اشتہار اور خبر رسانی کا مرکزی محکمہ
۴۲۔ حیواناتی سروے نباتاتی سروے، آثار قدیمہ۔
۴۳۔ تحقیق علمی، صنعت اور پیشوں کی تعلیم اور مخصوص علوم کی ترقی کے لئے مرکزی ادارے جن میں رصدگاہیں بھی شامل ہیں۔
۴۴۔ صوبوں کی درمیانی سرحدوں کے علاوہ حدود ملکی میں تغیرات اور ان سے متعلق قوانین کا اعلان۔
۴۵۔ دولت مشترکہ کی تمام املاک
۴۶۔ جنگلات سے متعلق قانون
۴۷۔ غیر عدالتی اسٹامپ کے متعلق قوانین۔

نقشہ نمبر ۲

امور متعلق حکومت صوبہ

۱۔ مالگزاری اراضی جس میں منتقلہ مالگزاری بھی شامل ہے۔ کوئی اور ٹیکس جو زمین یا زرعتی آمدنی پر عائد کئے جائیں۔ پانی کے مطالبات۔ سروے اور بندوبست۔ سرکاری زمین کا علیحدہ کرنا اور اسکو آباد کرنا۔ اور سرکاری جائدادوں کا انتظام۔

۲۔ آبکاری یعنی شراب اور دیگر منشیات (ماسوائے افیون) کی تیاری، انتقال قبضہ خرید و فروخت پر نگرانی۔ اور ان اشیاء پر یا ان کی بابتہ آبکاری کے محاصل اور لائسنس کی فیس کا عائد کرنا اور دیگر امتناعی محصول۔

۳۔ تمام مقامی محاصل مثلاً سائٹ زمین یا زمین کی قیمت پر سیس۔ عمارتوں پر ٹیکس۔ گاڑیوں اور کشتیوں پر ٹیکس۔ جانوروں پر ٹیکس۔ چنگی اور دیسی اشیاء پر جو ایک مقامی حلقہ سے درآمد یا برآمد ہوں۔ ٹرمنل ٹیکس۔ تجارتوں۔ پیشوں اور حرفوں پر ٹیکس۔ نجی منڈیوں پر ٹیکس۔ قمار بازی پر ٹیکس۔ مقامی حکومت کی خدمات کے عوض میں ٹیکس۔

۴۔ صوبہ کے اندر یا صوبہ کی طرف سے حصول اراضی۔

۵۔ جنگلات کا انتظام اور شکار کی حفاظت۔

۶۔ زراعت جس میں علمی تحقیقات کے ادارے۔ تجربہ اور مشاہدہ کے فارم شامل ہیں۔ کیڑوں اور گزند پہنچانے والے جانوروں سے محافظت۔

۷۔ ماہی گیری کے مقامات جن میں دولت مشترکہ کے ایسے مقامات شامل نہیں ہیں۔

۸۔ پانی کی فراہمی۔ آبپاشی کی نہریں۔ بدروئیں اور پشتے۔ پانی کے ذخائر۔ اور پانی کی قوت۔ سوائے ان صورتوں کے جن میں کئی صوبوں کے درمیان کا معاملہ ہو یا ایک صوبہ اور کسی ریاست یا دوسرے علاقہ کے تعلقات پر اثر پڑتا ہو۔

۹۔ صوبہ کی تعمیرات عامہ جس میں عمارتیں۔ سڑکیں۔ پل۔ نہریں۔ سرنگیں۔ رسی کے راستے۔ پل کے سروں کے راستے۔ ٹریوے۔ لائٹ اور فیڈر ریلوے۔ داخلی آبی راہیں۔ اور دیگر وسائل آمد و رفت شامل ہیں سوائے۔

(الف) ایسی ریلوے سڑکوں اور داخلی آبی راہوں کے جو مرکزی حکومت کے تحت میں ہیں۔

(ب) تمام ایسے کام جو ایک صوبہ کی حدود سے باہر پھیلے ہوئے ہوں۔

(ج) ایسے کام جنہیں (باوجود اس کے کہ وہ بالکل صوبہ ہی میں واقع ہیں) پارلیمنٹ تمام ہندوستان کے لئے اہم قرار دیدے۔

۱۰۔ انجمن ہائے امداد باہمی

۱۱۔ معدنی ذرائع کی ترقی

۱۲۔ قحط زدوں کی امداد

۱۳۔ ہندوستان کے اندر جاترا و زیارت۔

۱۴۔ لوکل سلف گورنمنٹ جس میں میونسپل کارپوریشن۔ لوکل بورڈ۔ گاؤں کی پنچایت امپروومنٹ ٹرسٹ۔ آبادیوں کے نقشے بنانے والے بورڈ اور صوبہ کی دوسری مقامی با اختیار جماعتیں شامل ہیں۔ ان کے لئے دستور بنانا اور انہیں اختیارات دینا اور لوکل فنڈ کا محاسبہ۔

۱۵۔ طبی انتظامات جس میں ہسپتال۔ دواخانے استھان اور طبی تعلیم کا انتظام شامل ہے

۱۶۔ صحت عامہ اور صفائی اور اعداد پیدائش و اموات۔

۱۷۔ تعلیم جس میں یونیورسٹیاں اور صنعتی تعلیمگاہیں۔ صوبہ کے ایسے ادارے جن میں پیشہ اور صنعت کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور صنعتی تعلیمات کی ترقی سب شامل ہیں۔

۱۸۔ کورٹ آف وارڈس اور ایسی ریاستیں جن پر بارہو یا قرق ہو چکی ہوں

۱۹- زمین کو ترقی دینے اور زراعت کے لئے قرضے۔

۲۰- حقیت آراضی اور زمیندار- کاشتکار اور لگان کے قوانین۔

۲۱- اڈمنسٹریٹر جنرل اور سرکاری امنار جو مرکزی مجلس قانون ساز کے قانون کے ماتحت ہوں گے۔

۲۲- صنعتوں کی ترقی جس میں تحقیق صنعتی بھی شامل ہے۔

۲۳- پولیس جس میں فوجی۔ مسلح پولیس جس کی کفالت صوبہ کرتا ہے۔ اور ریلوے پولیس ان قوانین کے ماتحت شامل ہے جو پارلیمنٹ اس کے حدود و اقتدار اور مصارف میں ریلوے کے حصہ رسد کے متعلق بنائے۔

۲۴- کھانے کی چیزوں اور دوسری اشیا میں میل۔

۲۵-(الف) گاڑیوں کی نگرانی۔ مگر موٹر گاڑیوں کے لائسنس کے لئے جو تمام ہندوستان میں تسلیم کئے جا سکیں مرکزی جماعت مقننہ کے قانون کی پابندی کیجائے گی۔

(ب) سینما اور ڈراما کے کھیلوں کی نگرانی۔

۲۶- جیلخانے۔ قیدی۔ اصلاح خانے اور آوارہ گردی۔

۲۷- پسماندہ قبائل اور ان کی نئی لبستیاں۔

۲۸- دفینے۔

۲۹- صوبے میں عدل و انصاف کا انتظام جس میں عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کا نظام اور ان کی کفالت شامل ہے۔

۳۰- صوبے کی جماعت قانون ساز کے انتخابات۔

۳۱- صوبے کے متعلق معاملات میں صوبہ کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں جرمانہ۔ سزا اور قید مقرر کرنے والے قانون بنانا۔

۳۲- صرف صوبہ کی ساکھ پر قرض لینا مرکزی حکومت کی منظوری کے ماتحت صوبہ کے

واجب الاصول اور املاک۔

۴۳۔ موت۔ پیدائش اور نکاح کے رجسٹری کی متعلق قانون کا انصرام۔

۴۴۔ صوبے کی قانونی رپورٹیں۔

۴۵۔ چھوٹے بندرگاہ۔

۴۶۔ پبلک کتب خانے سوائے کلکتہ کی امپیریل لائبریری کے۔ عجائب گھر سوائے انڈین میوزیم امپیریل وار میوزیم اور کلکتہ کے وکٹوریہ میموریل۔ چڑیا خانے۔ اور نباتاتی باغات۔ اور انجمنوں کی رجسٹری۔

۴۷۔ مویشی خانے اور مویشی کی وجہ سے پائمالی کا سدباب۔

۴۸۔ محکمہ معالجہ حیوانات جس میں وٹنری ٹریننگ۔ نسل مویشی کی بہتری اور جانوروں کے امراض کا سدباب شامل ہے۔

۴۹۔ کارخانے۔ مرکزی حکومت کے قوانین کے ماتحت۔

۵۰۔ مزدوروں کے جھگڑوں کا تصفیہ۔

۵۱ گیس اور بجلی۔

۵۲۔ بائیلر (Boilers)۔

۵۳۔ دھوئیں کی مضرت عام

۵۴۔ مزدوروں کے لئے مکانات

۵۵۔ اسباب موت کی تحقیق کنندہ

۵۶ صوبہ کے دفاتر اور اسٹیشنری

۵۷ صوبہ کی حکومت کا مطبع

۵۸ صوبہ کی ملازمتیں اور پراونشل سروس کمیشن

۵۹ صوبہ کی حکومت کا صدر مقام

۵۰۔ مرکزی حکومت کے قانون کی ماتحت انتخاب کی نگرانی۔

۵۱۔ فیس جس میں کورٹ فیس۔ وصیت ناموں پر رسوم۔ جائداد اور وراثت پر محصول۔ شامل ہیں۔

۵۲۔ مرکزی مجلس کے قوانین کی ماتحت۔ پیداوار۔ رسد اور تقسیم دولت کی نگرانی۔

۵۳۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت صنعتوں کو ترقی دینا۔

۵۴۔ مذہبی اور خیراتی اوقاف مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۵۔ قماربازی اور شرط بازی کی نگرانی، مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۶۔ جانوروں پر ظلم کا سدباب۔ پرندوں اور جانوروں کی محافظت۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۷۔ غیر عدالتی اسٹامپ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت اور عدالتی اسٹامپ مجلس قانون ساز کے ان قوانین کے ماتحت جو ہائیکورٹ کے ان مقدموں اور عدالتی کارروائیوں کے متعلق کورٹ فیس کی بابتہ بنائے جائیں جو ان کے ابتدائی اختیار سماعت میں داخل ہوں۔

۵۸۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت دستاویزوں کی رجسٹری۔

۵۹۔ اوزان اور پیمانے جن کے معیار کے متعلق مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کی پابندی کیجائے گی۔

۶۰۔ سمیات۔ اسلحہ اور گولہ بارود۔ پٹرولیم۔ اور پھٹنے والی چیزوں کی نگرانی۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۶۱۔ اخباروں کی نگرانی مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت

۶۲۔ طبی اور دیگر پیشوں کے قابلیت و معیار کی نگرانی مرکزی مجلس قانون ساز کے ماتحت۔

۶۳۔ لوکل فنڈ حساب کی جانچ۔

☆

ضمیمہ (الف)

مذہب کے اعتبار سے پنجاب کی آبادی کے اعداد کا تجزیہ

(یعنی ایک نوٹ پنجاب کی آبادی کے اعداد کے متعلق جس میں خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ مجلس قانون ساز میں مختلف مذہبی گروہوں کی نیابت غالباً کسقدر ہوگی)

یہ نوٹ مندرجہ ذیل مفروضات پر مبنی ہیں :-

۱ - یہ کہ معمولی علاقہ وار نمائندگی، مخلوط یا مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے ساتھ ہوا ور کسی قسم کا تحفظ نشست نہ ہو۔

۲ - یہ کہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو، یا کم از کم ایسا حق رائے دہندگی جس میں مختلف فرقوں کے منتخب کرنیوالوں کی تعداد کا تناسب ایک دوسرے سے وہی ہو جو اُنکی آبادی کے اعداد کا تناسب ہے۔

اِن نوٹوں میں اعداد و شمار تمامتر ۱۹۲۱ء کی مردم شماری پر مبنی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اضافہ آبادی کا تناسب ہندوؤں سے کچھ زیادہ ہے۔ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق اس اضافہ کا سبب مذہب کی تبدیلی نہیں بلکہ بعض معاشرتی اسباب ہیں مثلاً نکاح بیوگان اور سن مناکحت کا مسلمانوں میں زیادہ ہونا۔ ابتدائی عمر کی شادی کی وجہ سے ہندوؤں میں بچوں کی موتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ آج پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۱۹۲۱ء کے اعداد مردم شماری کے مقابلہ میں نسبتاً کسی قدر زیادہ ہوگی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان نوٹوں میں حساب جہانتک مسلمانوں کا

تعلق ہے ایسے اعداد سے کیا گیا ہے جو اصل سے کچھ کم ہی ہیں اور حقیقت ان کے لئے اعداد سے زیادہ موافق ہے۔

مجالس قانون ساز کے معاملہ میں مردم شماری کی رپورٹ کے آبادی کے اعداد سے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا انحصار بہت کچھ حلقۂ انتخاب کی ترتیب پر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی یقینی نہیں ہے اور بلاشبہ سخت ناپسندیدہ امر ہے کہ مشترک حلقہ ہائے انتخاب میں ایک مسلمان ہمیشہ مسلمان کو رائے دے اور ایک ہندو، ہندو کو۔ لیکن ان حسابات میں ان کے لئے گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ چونکہ سوال پر فرقہ وارانہ حیثیت سے غور کیا جا رہا ہے اس لئے ہمیں یہ فرض کر لینا چاہئے کہ عموماً رائیں فرقہ وارانہ خیال سے دیجائیں گی۔ چونکہ حلقہ انتخاب ابھی تک نہیں بنے ہیں۔ اس لئے صرف انفرادی اضلاع کے اعداد ہی کی جانچ کی جا سکتی ہے۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ ایک پورا ضلع یا اُس کا ایک حصہ حلقۂ انتخاب بنایا جائیگا۔

پنجاب کی آبادی (ہندوستانی ریاستوں کو خارج کر کے) ۱۹۲۱ء میں ۲۰۶۸۵۰۲۴ تھی۔ یہ مندرجہ ذیل طریقہ پر تقسیم تھی:۔

مسلمان	۱۱۴۴۴۳۲۱	۵۵٫۳ فیصدی
ہندو	۶۵۷۹۲۶۰	۳۱٫۸ 〃
سکھ	۲۲۹۴۲۰۷	۱۱٫۱ 〃
دیگر (خصوصاً عیسائی)	۳۶۷۲۳۶	۱٫۸ 〃
	۲۰۶۸۵۰۲۴	۱۰۰ 〃

اس طرح اگر اور سب کو ملا بھی دیا جائے تو مسلمان ایک کھلی ہوئی، گو بڑی نہ سہی، اکثریت میں ہیں۔ اگر تقسیم آبادی کو اور زیادہ قریب سے جانچا جائے تو نظر آئے گا کہ کل پنجاب کے اعداد سے جو ظاہر ہوتا ہے مسلمان اُس سے بھی کہیں زیادہ مضبوط حیثیت رکھتے ہیں۔ اس

کا سبب یہ ہے کہ سکھ اور ہندو صوبہ کے جنوبی حصہ یعنی قسمت انبالہ اور جالندھر میں زیادہ تعداد میں ہیں۔ ان دو قسمتوں میں مسلمان قلیل التعداد ہیں لیکن وہ اس کی تلافی اپنی اکثریت کو دوسری جگہوں میں بڑھا کر کر لیتے ہیں۔

پنجاب کو تین قدرتی حلقوں یا علاقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) جہاں مسلمان غالب ہیں۔ (۲) جہاں غلبہ کسی کو حاصل نہیں مگر مسلمانوں کی اکثریت ہے اور (۳) ہندوؤں اور سکھوں کا حلقہ۔

اگر ہم موجودہ قسمتوں کو ان حلقوں سے تقریباً مطابق تسلیم کر لیں تو ہمیں مندرجہ ذیل تین حلقے ملتے ہیں۔

۱۔ راولپنڈی اور ملتان کی قسمتیں یعنی مسلم حلقۂ اقتدار جن میں مسلمان بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں (یعنی بالترتیب ۹ر۸۶ اور ۹ر۷۶ فیصدی)۔

۲۔ قسمت لاہور جس میں کسی کا اقتدار نہیں لیکن مسلمان تمام دوسروں کی مشترکہ آبادی کے مقابلہ میں اکثریت میں ہیں (یعنی ۵۷ فیصدی)۔

۳۔ انبالہ اور جالندھر کی قسمتیں یعنی ہندو سکھ حلقہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یعنی بالترتیب ۳ر۲۶ فی صدی اور ۰ر۳۲ فی صدی)۔

ان فرقہ وارانہ حلقوں کی بنیاد پر ہم مجلس قانون ساز میں نیابت کا ایک دھندلا سا تصور قائم کر سکتے ہیں اگر ہر لاکھ پیچھے ایک رکن ہو تو یہ صورت ہوگی:۔

		آبادی	اراکین مجلس قانون ساز	
	پنجاب	۲۰۶۸۵۰۰۰	۲۰۶	
۱	راولپنڈی	۳۴۶۱۰۰۰	۳۵	۷۷
	" ملتان	۴۲۱۸۰۰۰	۴۲	
۲	" لاہور	۴۹۹۷۰۰۰	۵۰	۵۰

		آبادی	اراکین مجلس قانون ساز	
۳	قسمت انبالہ	۳۸۲۷۰۰۰	۳۸	۸۰
	" جالندھر	۴۱۸۲۰۰۰	۴۲	
	میزان			۲۰۶

ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ مسلمان، مسلم حلقۂ اقتدار میں تمام نشستوں اور ہندو سکھ اپنے حلقۂ اقتدار میں تمام نشستوں پر قبضہ کرلیں گے۔ قسمت لاہور میں ممکن ہے کہ کچھ حصہ بٹ جائے۔ یہ بات کلیتاً نہ واقع ہوسکتی ہے نہ ہونی چاہیئے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک قسمت کی نمائندگی صرف ایک فرقہ کی طرف سے ہو۔ لیکن ایک موٹے حساب سے ہم یہ ضرور فرض کرسکتے ہیں کہ وہ نشستیں جو مسلمان ہندو سکھ حلقہ میں حاصل کریں اُن نشستوں کی تلافی کردیں گی جو ہندو اور سکھ مسلمان حلقہ میں حاصل کریں گے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیئے ہندو سکھ حلقہ میں نشستوں کے حاصل کرنے کا امکان زیادہ ہے چونکہ مسلم اکثریت راولپنڈی اور ملتان کی قسمتوں میں بعید ہے (یعنی ۸۶ فی صدی اور ۶۲،۹ فی صدی)

اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان لازمی طور پر اپنے حلقہ میں ۷۷ نشستوں پر قبضہ کریں گے اور ہندو سکھ مشترکہ طور پر اپنے حلقہ میں ۸۰ نشستوں پر۔ تیسرے حلقہ یعنی قسمت لاہور میں نشستیں آپس میں تقسیم ہوجائیں گی لیکن تقسیم کے مسلمانوں کے موافق ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ وہ آبادی میں ۵۷ فیصدی ہیں، ہندو ۲۰،۷ فیصدی ہیں اور سکھ ۱۶،۲ فیصدی۔ عیسائی وغیرہ کی تعداد ۶،۱ فیصدی ہوتی ہے لیکن اُن کو ہم یہاں نظر انداز کرسکتے ہیں کیونکہ اُن کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ انہیں کثیر التعداد جماعتوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور یقیناً کسی صورت سے بھی مسلمانوں کے مخالف یا ہندو سکھوں کے ساتھی نہیں سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس طرح مسلمان ہندو سکھوں کے مقابلہ میں ڈیڑھ گنا زیادہ مضبوط ہیں۔ فرق کافی ہے اور انتخاب کے موقع پر مسلمان اپنی قوت کا احساس ضرور کراسکیں گے۔

اورعموماً مسلمانوں کی اکثریت اس قسمت میں اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستوں پر قبضہ کرسکیگی ۔ اور اگر اس نے ٹھیک اپنے حق کے مطابق ہی نشستوں پر قبضہ پایا تو بھی اُسے ۲۹ نشستیں ملیں گی ۔ اس میں اگر ۷ نشستیں مسلم علاقے والی شامل کردیجائیں تو تعداد ۱۰۶ ہوجاتی ہے جو ۲۰۷ اراکین کی مجلس قانون ساز میں تمام فرقوں اور گروہوں کے مقابلہ میں ایک چھوٹی لیکن کھلی ہوئی اکثریت ہے ۔ یہ اکثریت ہندو اور سکھوں کے مقابلہ میں توحقیقتاً اور بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اقلیت میں "دیگر" اقوام بھی شامل ہیں ۔

پھر یہ سب اُس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ یہ باور کرلیا جائے کہ ہندوؤں اور سکھوں کے اغراض یکساں ہیں اور تمام مواقع پر یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے ۔ لیکن بلاشبہ یہ فرض کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کا گمان غالب ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ساتھ کام نہ کریں ۔ ایسی صورت حالات میں مسلمانوں کی ٹھوس اکثریت کے مقابلہ میں ان دونوں فرقوں کا بری طرح اقلیت میں ہونا اور بھی نمایاں ہوجائے گا ۔

چونکہ قسمت لاہور پر فیصلے کا دارومدار ہونا ممکن ہے اس لئے اس کی اور شرح وبسط کے ساتھ جانچ کیجائے تو بہتر ہے ۔ اس قسمت کے چھ اضلاع میں سے تین اضلاع یعنی سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ میں مسلمانوں کی کافی اکثریت ہے ۔ اور چونکہ "دیگر اقوام" (عیسائی وغیرہ) ان میں قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں اس لئے مسلم اکثریت ہندو اور سکھوں کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ بلکہ بالکل غالب ہوجائے گی ۔

اعداد درج ذیل ہیں :-

ضلع سیالکوٹ

مسلمان	۲۱۱ر۹ فیصدی	۹½ نشستیں
ہندو	۱۹ر۵ "	
سکھ	۸ "	
دیگر اقوام	۱۰ر۵ "	

ہندو اور سکھ ملکر ۵ء ۲۰ فی صدی ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں مسلمان ۹ء ۶۱ فی صدی ہیں۔ اس طرح موخرالذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے دوگنے ہیں۔

ضلع گوجرانوالہ

مسلمان	۷۰ فیصدی	۱ ۴/۱ نشستیں
ہندو	۸ء ۱۵ "	
سکھ	۲ء ۸ "	
دیگر اقوام	۵ "	

ہندو اور سکھ ملکر ۲۴ فیصدی ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان ۷۰ فیصدی ہیں۔ اس طرح موخرالذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد کے تین گنے ہیں۔

ضلع شیخوپورہ

مسلمان	۳ء ۶۳ فیصدی	۱ ۵/۱ نشستیں
ہندو	۱۶ "	
سکھ	۹ء ۱۵ "	
دیگر اقوام	۸ء ۴	

ہندو سکھ ملکر ۹ء ۳۱ فیصدی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان ۳ء ۶۳ فیصدی۔ اس طرح موخرالذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد کے ٹھیک دوگنے ہیں۔

ان تین ضلعوں میں مسلمان اسقدر مضبوط ہیں کہ کوئی انہیں زیر نہیں کرسکتا۔ درحقیقت یہ اضلاع مسلم حلقے کا حصہ ہیں اور انہیں کے ساتھ ان پر غور کرنا چاہیئے۔ ان اضلاع کو مجلس قانون ساز میں ۲۱ اراکین بھیجنے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کو مسلم علاقے کے ۷۷ ارکان میں جوڑئیے تو مجموعہ ۹۸ ہوتا ہے۔

قسمت لاہور کے دوسرے اضلاع میں جو صورت حال ہے وہ درج ذیل ہے۔

ضلع لاہور

مسلمان	۵۶٫۳ فیصدی	۱۱ نشستیں
ہندو	۲۱٫۵ "	
سکھ	۱۵٫۹ "	
دیگر اقوام	۵٫۳ "	

یہاں ہندو سکھ ملکر ۳۷٫۴ فیصدی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان ۵۶٫۳ فیصدی ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اس قدر زیادہ نہیں ہے جتنی کہ شمالی اضلاع میں لیکن پھر بھی کافی ہے۔ مسلمان ہندوؤں اور سکھوں سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں یعنی ان کے ڈیڑھ گنے سے زیادہ۔

ضلع امرتسر

مسلمان	۴۵٫۶ فیصدی	۹ نشستیں
ہندو	۲۱٫۶ "	
سکھ	۳۰٫۹ "	
دوسری اقوام	۱٫۸ "	

اس ضلع میں ہندو اور سکھ ملکر ۵۲٫۵ فیصدی ہیں اور مسلمانوں کی ۴۵٫۶ فیصدی کے مقابلہ میں یہ خاصی اکثریت ہے۔

ضلع گورداسپور

مسلمان	۴۹٫۶ فیصدی	۸½ نشستیں
ہندو	۲۶ "	
سکھ	۱۶٫۲ "	
دیگر اقوام	۸٫۲ "	

یہاں مسلمانوں کی تعداد ہندو اور سکھوں کے مجموعہ سے زیادہ ہے یعنی ۲۲۴۲ کے مقابلہ میں ۲۶۹۴ لیکن اکثریت کچھ زیادہ نہیں۔ امرت سر کے ضلع میں جو صورت حال تھی وہ یہاں الٹ جاتی ہے۔ "دیگر" یہاں خاصی تعداد میں ہیں۔

پس ان تین ضلعوں کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لاہور میں مسلمانوں کی حیثیت مضبوط۔ گرداسپور میں خاصی اور امرت سر میں کمزور ہے لیکن آخرالذکر ضلع میں بھی اگر فرقوں کو الگ الگ دیکھا جائے تو مسلمان ہی سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ مسلمان ان اضلاع میں اور خصوصاً لاہور میں کچھ نشستیں حاصل کرلینگے۔

اس طرح قسمت لاہور کی نیابت زیادہ تر مسلمان کریں گے۔ اور یہ نیابت شمال اور مغرب کے حلقے سے ملکر انہیں ایک کھلی ہوئی اکثریت دلا دیگی۔

اس سوال پر ایک دوسرے نقطۂ نگاہ سے بھی غور کیا جاسکتا ہے یعنی قسمتوں پر مجموعی حیثیت سے غور کرنے کے بجائے ہر ہر ضلع کو لیا جائے اور اس سے غالباً زیادہ صحیح تصور پیدا ہوسکے۔

پنجاب میں ۲۹ اضلاع ہیں۔ یہ اضلاع چار قسموں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کے غلبے کے اضلاع جہاں اُن کی حیثیت اس قدر مضبوط ہے کہ کوئی ان کو دبا نہیں سکتا۔

(۲) مسلمانوں کے اقتدار کے اضلاع جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن اتنی زیادہ نہیں جس قدر نمبر (۱) میں ہے۔

(۳) وہ اضلاع جن میں کسی فرقہ کو اقتدار نہیں۔

(۴) ہندو یا سکھوں کے غلبہ یا اقتدار کے اضلاع۔

۱۔ مسلمانوں کے غلبے کے اضلاع:۔

	مسلمانوں کی فی صدی آبادی ہر ضلع کے نام کے آگے درج ہے	تعداد اراکین مجلس قانون ساز
۱۔ گجرات	۸۶٫۲	۸
۲۔ شاہ پور	۸۲٫۸	۷
۳۔ جہلم	۸۸٫۷	۵
۴۔ راولپنڈی	۸۳٫۶	۶
۵۔ اٹک	۹۰٫۹	۵
۶۔ میانوالی	۸۶٫۳	۴
۷۔ منٹگمری	۷۱٫۸	۷
۸۔ لائل پور	۶۰٫۷	۱۰
۹۔ جھنگ	۸۳٫۳	۶
۱۰۔ ملتان	۸۲٫۲	۹
۱۱۔ مظفرگڑھ	۸۶٫۸	۵½
۱۲۔ ڈیرہ غازی خاں	۸۸٫۳	۵
۱۳۔ سیالکوٹ	۶۱٫۹	۹½
۱۴۔ گوجرانوالہ	۷۱	۶
۱۵۔ شیخوپورہ	۶۳٫۳	۵
	میزان	۹۸

۲۔ وہ اضلاع جنہیں مسلمانوں کا اقتدار ہے:۔

۱۔ لاہور	ہندو	۲۱٫۵	۱۱
	مسلمان	۵۷٫۳	
	سکھ	۱۵٫۹	
	دیگر اقوام	۵٫۳	

۲۔ گورداسپور	ہندو	۲۶	
	مسلمان	۴۹،۶	
	سکھ	۱۹،۲	۸ ½
	دیگر	۰،۲	
	میزان		۱۹ ½

۳۔ وہ اضلاع جن میں کسی قوم کو اقتدار نہیں۔

۱۔ جالندھر	ہندو	۲۹،۴	
	مسلمان	۴۴،۵	
	سکھ	۲۵،۱	۸
	دیگر	۱	
۲۔ فیروزپور	ہندو	۲۶،۶	
	سکھ	۲۶،۳	
	مسلمان	۴۳،۹	۱۱
	دیگر	،۹	
۳۔ امرتسر	ہندو	۲۱،۶	
	سکھ	۳۰،۹	
	مسلمان	۴۵،۴	۹
	دیگر	۱،۸	
	میزان		۲۸

ان اضلاع میں بھی مضبوط ترین واحد جماعت مسلمانوں کی ہے۔

۴۔ ایسے اضلاع جن میں سکھوں اور ہندوؤں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہے:۔

۱۔ حصار	ہندو	۶۶٫۱	۸
۲۔ رہتک	"	۷۸	۸
۳۔ گوڑگانوں	"	۶۶٫۷	۷
۴۔ کرنال	"	۶۷٫۵	۸
۵۔ انبالہ	"	۵۳٫۸	۷
۶۔ شملہ	"	۷۱٫۲	½
۷۔ کانگڑا	"	۹۴	۸
۸۔ ہوشیارپور	"	۵۳٫۳	۹
۹۔ لدھیانہ	ہندو	۲۳٫۶	۶
	سکھ	۴۱٫۵	
	مسلمان	۳۴	
	دیگر	٫۹	
	میزان		۶۱½

اس طرح مسلمانوں کو اپنے ۱۵ ضلعوں کے خاص حلقہ سے جہاں وہ بہت زیادہ قوی ہیں نشستیں ملیں گی	۹۸
ہندوؤں کو اسی طرح اپنے ایسے ہی حلقہ سے	۶۱½
ان دو اضلاع سے جنہیں مسلمانوں کا اقتدار ہے	۱۹½
تین اضلاع سے جہاں دونوں قریب قریب یکساں ہیں لیکن مسلمان ہر ایک میں مضبوط ترین واحد جماعت ہیں	۲۸
	۲۰۷

۴۔ ان نشستوں سے مجلس قانون ساز میں اکثریت مطلق پیدا ہوجاتی ہے۔ اضلاع

کے اعداد کا تجزیہ مندرجہ ذیل نتائج کی طرف رہنمائی کرتا ہے:

۱۔ صرف مسلم حلقے سے جہاں مسلمانوں کو کوئی دبا نہیں سکتا مسلمانوں کو ۸۰ نشستیں ملتی ہیں یعنی کل نشستوں کی ۳۸٫۷ فیصدی

۲۔ ہندو اور سکھوں کے حلقے سے جہاں وہ بہت مضبوط ہیں انہیں ½ ۱۶ نشستیں ملتی ہیں یعنی ۸٫۱۹ "

۳۔ ان دو اضلاع سے جن میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے ½ ۱۹ نشستیں ہیں یعنی ۹٫۴ "

۴۔ تین اضلاع میں جہاں مختلف فرقوں میں تقریباً توازن پایا جاتا ہے لیکن ہر ایک میں مسلمان مضبوط ترین واحد جماعت ہیں ۲۸ نشستیں یعنی . . . . ۱۳٫۵ "

۱۰۰

یہ بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ نمبر ۲ مندرجہ بالا سے جس میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے مسلمانوں کو کم سے کم ½ ۱۹ نشستوں میں سے ۱۰ نشستیں ملیں گی اور یہ اگر ان کے خاص حلقہ کی نشستوں میں جوڑ دی جائیں تو ۹۰ نشستیں ہوتی ہیں جو مجلس قانون ساز میں ایک کھلی ہوئی اکثریت ہے۔ نمبر ۳ مندرجہ بالا میں بھی مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ نشستیں ضرور ملیں گی کیونکہ وہ مضبوط ترین واحد جماعت ہیں۔ اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ ۲۸ میں سے ۱۲ کا یقین رکھ سکتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کی تعداد مجلس قانون ساز میں ۲۰۷ میں سے ۱۲۰ ہو جاتی ہے یعنی ۵۸ فی صدی اور اس طرح بہت محتاط تخمینے کی رو سے مسلمانوں کے لئے غالب امکان ہے کہ وہ ۵۸ فی صدی نشستیں حاصل کر لیں گے۔

پنجاب (برطانوی علاقہ)
آبادی کے تفصیلی اعداد

پنجاب

کل آبادی	۲۰۶۸۵۰۲۴	۱۰۰ فی صدی
مسلمان	۱۱۴۴۴۳۲۱	۵۵٫۳ ″
ہندو	۶۵۷۹۲۶۰	۳۱٫۸ ″
سکھ	۲۲۹۴۲۰۷	۱۱٫۱ ″
دیگر اقوام (خصوصاً عیسائی)	۳۶۷۲۳۶	۱٫۸ ″

پنجاب کی قسمتیں

	آبادی	تناسب فی صدی	تعداد اراکین مجلس قانون ساز (لاکھ پیچھے ایک رکن)
قسمت انبالہ			
کل	۳۸۲۷۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۵۵۶۰۰۰	۶۶٫۶	
مسلمان	۱۰۰۶۰۰۰	۲۶٫۳	۳۸
سکھ	۱۵۸۰۰۰	۴٫۲	
دیگر	۱۰۶۰۰۰	۲٫۸	
قسمت جالندھر			
کل	۴۱۲۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۸۹۳۰۰۰	۴۵	
مسلمان	۱۳۷۰۰۰۰	۳۲٫۸	۴۲

سکھ	۸۸۰۰۰۰	۲۱
دیگر	۴۰۰۰۰	٫۹

قسمت لاہور

کل	۴۹۹۷۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۰۳۳۰۰۰	۲۰٫۷	
مسلمان	۲۸۴۹۰۰۰	۵۷٫۰	۵۰
سکھ	۸۱۳۰۰۰	۱۶٫۲	
دیگر	۳۰۳۰۰۰	۶٫۱	

قسمت ملتان

کل	۴۲۱۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۶۰۲۰۰۰	۱۴٫۳	
مسلمان	۳۲۴۶۰۰۰	۷۶٫۹	۴۲
سکھ	۲۹۰۰۰۰	۶٫۹	
دیگر	۸۰۰۰۰	۱٫۹	

قسمت راولپنڈی

کل	۳۴۶۱۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۹۶۰۰۰	۸٫۵	
مسلمان	۲۹۷۳۰۰۰	۸۶	۳۵
سکھ	۱۵۳۰۰۰	۴٫۴	
دیگر	۳۸۰۰۰	۱٫۱	

پنجاب کے اضلاع

۱۔ اضلاع جن میں مسلمانوں کا غلبہ ہے

نام ضلع		آبادی	تناسب فی صدی	تعداد ارکان مجلس قانون ساز
۱۔ گجرات	کل	۸۲۴۰۰۰	۱۰۰	
	ہندو	۵۹۰۰۰	۷٫۲	
	مسلمان	۷۱۰۰۰۰	۸۶٫۲	۸٫۲
	سکھ	۴۹۰۰۰	۶	
	دیگر	۶۰۰۰	٫۷	
۲۔ شاہ پور	کل	۷۲۰۰۰۰	۱۰۰	
	ہندو	۷۹۰۰۰	۱۱	
	مسلمان	۵۹۶۰۰۰	۸۲٫۸	۷٫۲
	سکھ	۳۰۰۰۰	۴٫۲	
	دیگر	۱۵۰۰۰	۲٫۱	
۳۔ جہلم	کل	۴۷۷۰۰۰	۱۰۰	
	ہندو	۳۳۰۰۰	۶٫۹	
	مسلمان	۴۲۳۰۰۰	۸۸٫۷	۴٫۸
	سکھ	۱۹۰۰۰	۴	
	دیگر	۲۰۰۰	٫۴	
۴۔ راولپنڈی	کل	۵۶۹۰۰۰	۱۰۰	
	ہندو	۵۵۰۰۰	۹٫۷	

مسلمان	۴۷۰۰۰۰	۸۲٫۶	۵٫۷
سکھ	۳۲۰۰۰	۵٫۶	
دیگر	۱۲۰۰۰	۲٫۱	
۵۔ اٹک کل	۵۱۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۵۵۰۰	۵	
مسلمان	۴۶۵۵۰۰	۹۰٫۹	۵٫۱
سکھ	۲۰۰۰۰	۳٫۹	
دیگر	۱۰۰۰	٫۲	
۶۔ میانوالی کل	۳۵۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۴۵۰۰۰	۱۲٫۶	
مسلمان	۳۰۹۰۰۰	۸۶٫۳	۳٫۶
سکھ	۳۰۰۰	٫۸	
دیگر	۱۰۰۰	٫۳	
۷۔ منٹگمری کل	۷۱۴۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۹۲۰۰۰	۱۲٫۹	
مسلمان	۵۱۳۰۰۰	۷۱٫۸	۷٫۱
سکھ	۹۶۰۰۰	۱۳٫۴	
دیگر	۱۲۰۰۰	۱٫۸	
۸۔ لائلپور کل	۹۸۰۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۱۷۰۰۰	۱۸٫۱	
مسلمان	۵۹۵۰۰۰	۶۰٫۷	۹٫۸

سکھ	۱۶۱۰۰۰	۱۶٫۴	
دیگر	۴۷۰۰۰	۴٫۸	
۹۔ جھنگ کل	۵۷۰۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۸۴۰۰۰	۱۴٫۷	
مسلمان	۴۷۵۰۰۰	۸۳٫۳	۵٫۷
سکھ	۹۰۰۰	۱٫۶	
دیگر	۲۰۰۰	٫۴	
۱۰۔ ملتان کل	۸۹۰۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۲۹۰۰۰	۱۴٫۵	
مسلمان	۷۳۲۰۰۰	۸۲٫۲	۸٫۹
سکھ	۱۸۰۰۰	۲	
دیگر	۱۱۰۰۰	۱٫۲	
۱۱۔ مظفرگڑھ کل	۵۶۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۶۶۰۰۰	۱۱٫۶	
مسلمان	۴۹۳۰۰۰	۸۶٫۸	۵٫۷
سکھ	۵۰۰۰	٫۹	
دیگر	۴۰۰۰	٫۷	
۱۲۔ ڈیرہ غازی خان کل	۴۹۶۰۰۰	۱۰۰	
(جس میں بلوچ - ہندو	۵۴۰۰۰	۱۰٫۹	
علاقہ شامل ہے) مسلمان	۴۳۸۰۰۰	۸۸٫۳	۵
سکھ	۱۰۰۰	٫۲	

دیگر	۳۰۰۰	ء۶	
۱۳۔ سیالکوٹ کل	۹۳۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۸۳۰۰۰	۱۹ء۵	
مسلمان	۵۸۱۰۰۰	۶۱ء۹	۹ء۴
سکھ	۷۵۰۰۰	۸	
دیگر	۹۹۰۰۰	۱۰ء۵	
۱۴۔ گوجرانوالہ کل	۶۲۴۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۹۸۰۰۰	۱۵ء۸	
مسلمان	۴۴۳۰۰۰	۷۱	۶ء۲
سکھ	۵۱۰۰۰	۸ء۲	
دیگر	۳۱۰۰۰	۵ء۱	
۱۵۔ شیخوپورہ کل	۵۲۳۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۸۴۰۰۰	۱۶	
مسلمان	۳۳۱۰۰۰	۶۳ء۳	۵ء۲
سکھ	۸۳۰۰۰	۱۵ء۹	
دیگر	۲۵۰۰۰	۴ء۸	
۱۵۔ اضلاع			۹۶ء۶ ارا کین

۲۔ ایسے اضلاع جن میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے

(جہاں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے لیکن اس قدر زیادہ نہیں جتنی مندرجہ بالا اضلاع میں ہے)

۱۔ لاہور کل	۱۱۳۱۰۰۰	۱۰۰	

	آبادی	فیصد	اراکین
ہندو	۲۴۳۰۰۰	۲۱٫۵	
مسلمان	۶۴۸۰۰۰	۵۷٫۳	۱۱٫۳
سکھ	۱۸۰۰۰۰	۱۵٫۹	
دیگر	۶۰۰۰۰	۵٫۳	
۲۔ گورداسپور کل	۸۵۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۲۲۰۰۰	۲۶	
مسلمان	۴۲۳۰۰۰	۴۹٫۶	۸٫۵
سکھ	۱۳۸۰۰۰	۱۶٫۲	
دیگر	۷۰۰۰۰	۸٫۲	

۲ ضلع ۔۔۔ ۱۹٫۸ ۔ اراکین

۳۔ ایسے اضلاع جنہیں کسی فرقہ کو خاص طور پر اقتدار نہیں ہے
(لیکن مسلمان سب سے زبردست واحد جماعت ہیں)

	آبادی	فیصد	اراکین
۱۔ جالندھر کل	۸۲۲۵۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۴۴۰۰۰	۲۹٫۴	
مسلمان	۳۶۶۵۰۰	۴۴٫۵	۸٫۲
سکھ	۲۰۶۰۰۰	۲۵٫۱	
دیگر	۸۰۰۰	۱	
۲۔ فیروزپور کل	۱۰۹۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۰۳۰۰۰	۲۷٫۶	
مسلمان	۴۸۲۰۰۰	۴۳٫۹	۱۱
سکھ	۳۰۳۰۰۰	۲۷٫۶	

دیگر	۱۰۰۰۰	۱٫۹	
۳۔ امرتسر کل	۹۲۹۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۰۱۰۰۰	۲۱٫۶	
مسلمان	۴۲۴۰۰۰	۴۵٫۶	۹٫۳
سکھ	۲۸۶۰۰۰	۳۰٫۹	
دیگر	۱۶۰۰۰	۱٫۸	
۲۲۔ اضلاع			۲۸٫۵۔ اراکین

۴۔ اضلاع جن میں ہندوؤں اور سکھوں کو غلبہ یا اقتدار حاصل ہے

۱۔ حصار کل	۸۱۶۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۵۴۰۰۰۰	۶۶٫۱	
مسلمان	۲۱۶۰۰۰	۲۶٫۴	۸٫۲
سکھ	۴۶۰۰۰	۵٫۶	
دیگر	۱۵۰۰۰	۱٫۸	
۲۔ رہتک کل	۷۷۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۶۰۲۰۰۰	۷۸	
مسلمان	۱۲۵۰۰۰	۱۶٫۲	۷٫۷
سکھ	۱۰۰۰	٫۱	
دیگر	۴۴۰۰۰	۵٫۷	
۳۔ گوڑگانو کل	۶۸۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۴۵۵۰۰۰	۶۶٫۷	
مسلمان	۲۱۶۰۰۰	۳۱٫۸	۶٫۸

سکھ	۱۰۰۰	٫۱	
دیگر	۹۰۰۰	۱٫۳	
۴۔ کرنال کل	۸۲۹۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۵۶۰۰۰۰	۶۷٫۵	
مسلمان	۲۳۶۰۰۰	۲۸٫۵	۸٫۳
سکھ	۱۲۰۰۰	۱٫۴	
دیگر	۲۱۰۰۰	۲٫۶	
۵۔ انبالہ کل	۶۸۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۶۷۰۰۰	۵۳٫۸	
مسلمان	۲۰۶۰۰۰	۳۰٫۲	۶٫۸
سکھ	۹۸۰۰۰	۱۴٫۴	
دیگر	۱۱۰۰۰	۱٫۶	
۶۔ شملہ کل	۴۵۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۲۰۰۰	۷۱٫۲	
مسلمان	۷۰۰۰	۱۵٫۵	٫۴
سکھ	۱۰۰۰	۲٫۲	
دیگر	۵۰۰۰	۱۱٫۱	
۷۔ کانگڑا کل	۷۶۶۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۷۲۲۳۰۰	۹۴	
مسلمان	۳۸۳۰۰	۵	۵٫۵
سکھ	۲۰۰۰	٫۳	

دیگر	۳۴۰۰	۰٫۷	
۸۔ ہوشیار پور کل	۹۲۷۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۴۹۴۰۰۰	۵۳٫۴	
مسلمان	۲۸۹۰۰۰	۳۱٫۲	۹٫۳
سکھ	۱۳۳۰۰۰	۱۴٫۳	
دیگر	۱۱۰۰۰	۱٫۲	
۹۔ لدھیانہ کل	۵۶۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۳۴۰۰۰	۲۳٫۶	
مسلمان	۱۹۳۰۰۰	۳۴	۵٫۷
سکھ	۲۳۶۰۰۰	۴۱٫۵	
دیگر	۵۰۰۰	٫۹	
۹۔ اضلاع			۶۰٫۹۔ اراکین

یہ اعداد ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب کے تین چوتھائی حصہ میں مصنوعی تحفظ نشست سے قطع نظر کر کے قدرتی تحفظ نشست موجود ہے۔ ایک چوتھائی سے کچھ کم میں آزاد مقابلہ کی گنجائش ہے۔ آبادی کی تقسیم کافی حد تک مسلمانوں کی اکثریت کے موافق ہے۔

ضمیمہ (ب)

مذہب کے اعتبار سے بنگال کی آبادی کے اعداد

بنگال میں برطانوی علاقہ کی آبادی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۴۶۶۹۵۵۳۶ تھی۔ اسکی تقسیم مذہب کے اعتبار سے حسب ذیل تھی۔

مسلمان	۲۵۲۱۰۸۰۲	۵۴	فیصدی
ہندو	۲۰۳۰۲۵۲۷	۴۳٫۳	"
دیگر	۱۲۸۱۲۰۷	۲٫۷	"

"دیگر" میں خصوصیت کے ساتھ عیسائی اور قبائل کے مذاہب شامل ہیں جن میں سے آخر الذکر زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں انہیں جین اور بدھ مذہب کے پیرو بھی شامل ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت مختصر ہے۔

مسلمانوں کو اس طرح تمام لوگوں کی مجموعی آبادی کے مقابلہ میں چار فی صدی کی چھوٹی سی اکثریت ہے لیکن یہ اکثریت تمام صوبے میں برابر برابر منقسم نہیں ہے۔ ہندو بنگال کے ایک حصہ میں بڑی حد تک مجتمع ہیں یعنی بردوان کی قسمت اور قسمت پریسیڈنسی کے ایک حصہ میں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسری جگہوں میں مسلمانوں کی اکثریت ۴ فیصدی سے کہیں زیادہ ہے۔ پنجاب کی طرح بنگال میں بھی ہندو اور مسلم آبادی کے علیحدہ علیحدہ حلقے ہیں۔ ان حلقوں کا جب ایک قسمت وار سرسری جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تین قسمتوں میں مسلمانوں کا غلبہ ہے۔ ایک میں ہندوؤں کا اور ایک میں کم و بیش دونوں برابر ہیں۔ ہندوؤں کی صرف چار فیصدی کی اکثریت ہے۔

			تعداد اراکین مجلس قانون ساز لاکھ پیچھے ایک
(الف) مسلمانوں کا علاقہ			
۱۔ قسمت چٹاگانگ			۶۰
مسلمان	۷۲٫۶	فیصدی	
ہندو	۲۲٫۸	"	
۲۔ قسمت ڈھاکہ			۱۲۸
مسلمان	۶۹٫۷	"	
ہندو	۲۹٫۷	"	
۳۔ قسمت راج شاہی			۱۰۴
مسلمان	۶۱٫۴	"	
ہندو	۳۳٫۷	"	
(ب) حلقہ جس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔			
۴۔ قسمت بردوان			۸۰
مسلمان	۱۳٫۴	فیصدی	
ہندو	۸۲٫۴	"	
(ج) حلقہ جس میں ہندوؤں کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔			
۵۔ قسمت پریسیڈنسی			۹۵
مسلمان	۴۷٫۵	فیصدی	
ہندو	۵۱٫۴	"	

اس حساب سے کل بنگال کی نشستیں ۴۶۶

گویا مسلمانوں کے علاقہ میں نشستیں ۲۹۱ ہیں، زبردست ہندو حلقہ میں ۸۰ اور متوسط ہندو حلقہ میں ۹۵۔ اگر لاکھ پیچھے ایک ممبر ہو تو نشستوں کی کل تعداد ۴۶۶ ہوتی ہے اور اس طرح ۲۳۴ سے صاف اکثریت ملجاتی ہے۔ صرف مسلمانوں کے علاقہ میں ۲۹۱ نشستیں ہیں یعنی اکثریت کے لئے جسقدر ضرورت ہے اُس سے ۵۷ زیادہ۔ مگر پریسیڈنسی قسمت میں مسلمان ۵ء۲۷ فیصدی ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انکو نظر انداز کیا جا سکے۔ وہاں کچھ نشستیں اُنکے لئے ملنا یقینی ہیں۔ آبادی کی تقسیم اس طرح ہے کہ وہ ضرور اپنی تعداد سے زیادہ نشستیں حاصل کرلیں گے۔ ممکن ہے وہ اقتصادی اسباب اور تعلیمی پستی کی وجہ سے گھاٹے میں ہوں لیکن اس کی وجہ سے انہیں جو نقصان پہنچیگا اس سے کسی طرح وہ فوائد زائل نہیں ہوسکتے جو مسلم حلقہ کی ٹھوس اکثریتوں سے انہیں حاصل ہوں گے۔ اب ہم ضلع وار آبادی کے اعداد کو تفصیل کے ساتھ جانچتے ہیں۔ اصلی اعداد مذہب کے اعتبار سے اس نوٹ کے اخیر میں درج ہیں۔ ان اعداد کو مندرجہ ذیل طریقہ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:—

(الف) وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کا بہت غلبہ ہے۔	تعداد اراکین مجلس قانون ساز
چٹاگانگ	۱۶
نواکھالی	۱۵
ٹپرا	۲۷
میمن سنگھ	۴۸
باقرگنج	۲۶
فریدپور	۲۳
ڈھاکہ	۳۱
پبنا	۱۴

بوگرا	۱۰
رنگپور	۲۵
راج شاہی	۱۵
جیسور	۱۷
نادیا	۱۵
	۲۸۲

(ب) وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔

مرشد آباد	۱۳
مالدہ	۱۰
	۲۳

(ج) وہ اضلاع جنمیں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے۔

جلپائی گوڑی	۹

(د) وہ اضلاع جن میں کسی کو غلبہ یا اقتدار نہیں ہے۔

کھلنا	۱۴
دیناج پور	۱۷
چٹاگانگ کے پہاڑی قبیلے	۳
	۳۴

(ہ) وہ اضلاع جن میں ہندوؤں کو غلبہ حاصل ہے۔

بردوان	۱۴
بیربھوم	۸
بنکورا	۱۰
مدناپور	۲۷
ہوگلی	۱۱
ہوڑا	۱۰
۲۴ پرگنہ	۲۶
کلکتہ	۹
دارجلنگ	۳
	۱۱۸

اضلاع کے ان اعداد کا تجزیہ ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتا ہے جس پر قسمت کے اعداد کے تجزیے سے ہم پہنچتے تھے۔ اگر رائیں مذہبی اعتبار سے دیکھائیں تو مسلمانوں اور ہندوؤں کے علاقے بالکل ٹھوس ہیں اور قدرتی طور پر تحفظ نشست کر دیتے ہیں مسلمانوں کے علاقے میں اگر شق (الف) اور (ب) مندرجہ بالا کو شامل کر لیجئے تو ۳۰۵ نشستیں ملتی ہیں اگر شق (ب) کو چھوڑ بھی دیا جائے تو ۲۸۲ نشستیں ہوتی ہیں جو اکثریت کے لئے جس عدد کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

مذہب کے اعتبار سے بنگال کی آبادی کا تجزیہ

(الف) بنگال کی قسمتیں

	آبادی	تناسب فی صدی	تعداد اراکین مجلس قانون ساز (لاکھ پیچھے ایک کے حساب سے)
قسمت بردوان -			
کل	۸۰۵۰۰۰۰	۱۰۰	۸۰
ہندو	۶۶۰۷۰۰۰	۸۲٫۱	
مسلمان	۱۰۸۲۰۰۰	۱۳٫۴	
دیگر	۳۶۱۰۰۰	۴٫۵	
قسمت پریسیڈنسی			
کل	۹۴۶۱۰۰۰	۱۰۰	۹۵
ہندو	۴۸۶۴۰۰۰	۵۱٫۴	
مسلمان	۴۴۷۶۰۰۰	۴۷٫۵	
دیگر	۱۲۰۰۰۰	۱٫۳	
قسمت راجشاہی			
کل	۱۰۳۴۵۰۰۰	۱۰۰	۱۰۳
ہندو	۳۴۸۷۰۰۰	۳۳٫۷۱	
مسلمان	۶۳۴۹۰۰۰	۶۱٫۴	
دیگر	۵۰۸۰۰۰	۴٫۹	
قسمت ڈھاکہ			
کل	۱۲۸۳۷۰۰۰	۱۰۰	

ہندو	۳۸۱۳۰۰۰	۲۹٫۷	۱۲۸
مسلمان	۸۹۴۶۰۰۰	۶۹٫۷	
دیگر	۷۸۰۰۰	٫۶	

قسمت چٹاگانگ

کل	۶۰۰۰۰۰۰	۱۰۰	۶۰
ہندو	۱۴۳۲۰۰۰	۲۳٫۸	
مسلمان	۴۳۵۶۰۰۰	۷۲٫۶	
دیگر	۲۱۲۰۰۰	۳٫۵	

بنگال کا کل برطانوی علاقہ

کل	۴۶۶۹۵۰۰۰	۱۰۰	۴۶۷
ہندو	۲۰۲۰۳۰۰۰	۴۳٫۴۴	
مسلمان	۲۵۲۱۱۰۰۰	۵۴	
دیگر	۱۲۸۱۰۰۰	۲٫۷	

(ب) اضلاع بنگال

اضلاع	آبادی	تناسب فیصدی	تعداد اراکین مجلس قانون ساز لاکھ پیچھے ایک کے حساب سے
۱۔ بردوان کل	۱۴۳۹۰۰۰	۱۰۰	۱۴
ہندو	۱۱۲۲۰۰۰	۷۸	
مسلمان	۲۶۶۰۰۰	۱۸٫۵	
دیگر	۵۰۰۰۰	۳٫۵	
۲۔ بیر بھوم کل	۸۴۸۰۰۰	۱۰۰	

ہندو	۵۷۷۰۰۰	۶۸.۱	۸
مسلمان	۲۱۳۰۰۰	۲۵.۱	
دیگر	۵۸۰۰۰	۶.۸	
۳- بنکورا - کل	۱۰۲۰۰۰۰	۱۰۰	۱۰
ہندو	۸۸۰۰۰۰	۸۶.۳	
مسلمان	۴۷۰۰۰	۴.۶	
دیگر	۹۳۰۰۰	۹.۱	
۴- مدناپور - کل	۲۶۶۷۰۰۰	۱۰۰	۲۷
ہندو	۲۳۵۲۰۰۰	۸۸.۲	
مسلمان	۱۸۱۰۰۰	۶.۸	
دیگر	۱۳۴۰۰۰	۵	
۵- ہگلی - کل	۱۰۸۰۰۰۰	۱۰۰	۱۱
ہندو	۸۸۵۰۰۰	۸۱.۹	
مسلمان	۱۷۳۰۰۰	۱۶	
دیگر	۲۲۰۰۰	۲.۱	
۶- ہوڑا - کل	۹۹۷۰۰۰	۱۰۰	۱۰
ہندو	۷۹۱۰۰۰	۷۹.۳	
مسلمان	۲۰۲۰۰۰	۲۰.۳	
دیگر	۴۰۰۰	.۴	

قسمت پریسیڈنسی

۷- چوبیس ۲۴ پرگنہ کل	۳۶۲۸۰۰۰	۱۰۰

ہندو	١٦٨٧٠٠٠	٦٤٫٢	٢٦
مسلمان	٩١٠٠٠٠	٣٤٫٦	
دیگر	٣١٠٠٠	١٫٢	
٨۔ کلکتہ۔ کل	٩٠٨٠٠٠	١٠٠	٩
ہندو	٦٤٣٠٠٠	٧٠٫٨	
مسلمان	٢٠٩٠٠٠	٢٣	
دیگر	٥٦٠٠٠	٦٫٢	
٩۔ نادیا۔ کل	١٤٨٧٠٠٠	١٠٠	١٥
ہندو	٥٨٢٠٠٠	٣٩٫١	
مسلمان	٨٩٥٠٠٠	٦٠٫٢	
دیگر	١٠٠٠٠	٫٧	
١٠۔ مرشدآباد۔ کل	١٢٦٢٠٠٠	١٠٠	١٣
ہندو	٥٦٩٠٠٠	٤٥٫١	
مسلمان	٦٧٦٠٠٠	٥٣٫٦	
دیگر	١٧٠٠٠	١٫٣	
١١۔ جیسور۔ کل	١٧٢٢٠٠٠	١٠٠	١٧
ہندو	٦٥٦٠٠٠	٣٨٫٢	
مسلمان	١٠٦٣٠٠٠	٦١٫٧	
دیگر	٢٠٠٠	٫١	
١٢۔ کھلنا۔ کل	١٤٥٣٠٠٠	١٠٠	١٤
ہندو	٧٢٧٠٠٠	٥٠	
مسلمان	٧٢٣٠٠٠	٤٩٫٨	
دیگر	٣٠٠٠	٫٢	

قسمت راجشاہی

١٣۔ راجشاہی کل	١٤٨٩٠٠٠	١٠٠

ہندو	۳۱۸۰۰۰	۲۱/۳	
مسلمان	۱۱۴۰۰۰۰	۷۶/۶	۱۵
دیگر	۱۳۰۰۰	۲/۱	
۱۴- دیناج پور کل	۱۷۰۵۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۷۵۲۰۰۰	۴۴/۱	
مسلمان	۸۳۷۰۰۰	۴۹/۱	۱۷
دیگر	۱۱۶۰۰۰	۶/۸	
۱۵- جلپائی گوڑی کل	۹۳۶۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۵۱۵۰۰۰	۵۵	
مسلمان	۲۳۲۰۰۰	۲۴/۸	۹
دیگر	۱۸۹۰۰۰	۲۰/۲	
۱۶- رنگ پور کل	۲۵۰۷۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۷۹۱۰۰۰	۳۱/۵	
مسلمان	۱۷۰۶۰۰۰	۶۸/۱	۳۵
دیگر	۱۰۰۰۰	/۴	
۱۷- بوگرا۔ کل	۱۰۴۸۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۱۷۴۰۰۰	۱۶/۶	
مسلمان	۸۶۵۰۰۰	۸۳/۵	۱۰
دیگر	۹۰۰۰	/۹	
۱۸- دارجلنگ۔ کل	۲۸۳۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۲۰۱۰۰۰	۷۱	
مسلمان	۹۰۰۰	۳/۲	۳
دیگر	۷۳۰۰۰	۲۵/۸	
۱۹- پبنا۔ کل	۱۳۸۹۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۳۴۰۰۰	۲۴/۱	

مسلمان	۱۰۵۵۰۰۰	۷۵٫۸	۱۴
دیگر	۱۰۰۰	۰٫۱	
۳۰- مالدہ- کل	۹۸۵۰۰۰	۱۰۰	۱۰
ہندو	۴۰۰۰۰۰	۴۰٫۶	
مسلمان	۵۰۸۰۰۰	۵۱٫۶	
دیگر	۷۷۰۰۰	۷٫۸	

قسمت ڈھاکہ

۲۱- ڈھاکہ- کل	۳۱۲۵۰۰۰	۱۰۰	۳۱
ہندو	۱۰۶۹۰۰۰	۳۴٫۲	
مسلمان	۲۰۴۳۰۰۰	۶۵٫۴	
دیگر	۱۳۰۰۰	۰٫۴	
۲۲- فرید پور- کل	۲۲۵۰۰۰۰	۱۰۰	۲۳
ہندو	۸۱۶۰۰۰	۳۶٫۳	
مسلمان	۱۴۲۸۰۰۰	۶۳٫۵	
دیگر	۶۰۰۰	۰٫۳	
۲۳- باقر گنج- کل	۲۶۲۳۰۰۰	۱۰۰	۲۶
ہندو	۷۵۴۰۰۰	۲۸٫۷	
مسلمان	۱۸۵۱۰۰۰	۷۰٫۶	
دیگر	۱۸۰۰۰	۰٫۷	
۲۴- میمن سنگھ- کل	۴۸۳۸۰۰۰	۱۰۰	۴۸
ہندو	۱۱۷۴۰۰۰	۲۴٫۳	
مسلمان	۳۶۲۴۰۰۰	۷۴٫۹	
دیگر	۴۰۰۰۰	۰٫۸	

قسمت چٹاگانگ

۲۵- ٹپیرا- کل	۳۷۴۳۰۰۰	۱۰۰	

ہندو	۷۰۸۰۰۰	۲۵٫۸	
مسلمان	۲۰۳۳۰۰۰	۷۴٫۱	۲۷
دیگر	۲۰۰۰	٫۱	
۲۶۔ نواکھالی۔کل	۱۴۷۲۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۲۹۰۰۰	۲۲٫۳	
مسلمان	۱۱۴۲۰۰۰	۷۷٫۶	۱۵
دیگر	۱۰۰۰	٫۱	
۲۷۔ چٹاگانگ۔کل	۱۶۱۱۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۶۴۰۰۰	۲۲٫۶	
مسلمان	۱۱۷۲۰۰۰	۷۲٫۸	۱۶
دیگر	۷۴۰۰۰	۴٫۶	
۲۸۔ چٹاگانگ کے پہاڑی علاقے۔			
کل	۱۷۳۰۰۰	۱۰۰	
ہندو	۳۲۰۰۰	۱۸٫۵	
مسلمان	۷۰۰۰	۴٫۱	۲
دیگر	۱۳۴۰۰۰	۷۷٫۴	

کل ۴۶۵

ضمیمہ (ج)

بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں میں منتخب شدہ اراکین کی کیفیت

(سنہ ۱۹۲۷ء و سنہ ۱۹۲۸ء)

ضلع کا نام	کل نشستیں	تعداد ہندو اراکین	تعداد مسلم اراکین
۱- چوبیس پرگنہ	۳۰	۱۶ (۶۴/۲)	۴ (۳۴/۶)
۲- بوگرا	۱۵	۴ (۱۶/۹)	۱۱ (۸۲/۵)
۳- باقر گنج	۳۰	۵ (ایک عیسائی) (۲۸/۷)	۱۵ (۷۰/۶)
۴- مدناپور	۲۲	۲۱ (۸۸/۲)	۱ (۶/۸)
۵- راج شاہی	۱۸	۷ (۲۱/۳)	۱۱ (۷۶/۲)
۶- رنگ پور	۱۸	۷ (۳۱/۵)	۱۱ (۶۸/۱)
۷- کھلنا	۱۶	۱۱ (۵۰)	۵ (۴۹/۸)
۸- ہگلی	۲۰	۱۷ (۸۱/۹)	۳ (۱۶)
۹- دارجلنگ	۲۰	۱۸ (غیر مسلم) (۶۱) (دیگر ۳۵/۸)	۲ (۳/۲)
۱۰- میمن سنگھ	۲۳	۰ (۲۴/۳)	۲۳ (۷۴/۹)
۱۱- پبنا	۱۶	۳ (۲۴/۱)	۱۳ (۷۵/۸)
۱۲- نواکھالی	۱۲	۲ (۲۲/۳)	۱۰ (۷۷/۶)
۱۳- جلپائی گوڑی	۱۲	۱۴ (۵۵) (دیگر ۲-۲۰)	۳ (۲۴/۸)

۱۴۔ ٹپیرا	۱۹	۱۳ (۲۵/۸) (تین اراکین نامزد کئے گئے اسلئے کہ چاندپور میں انتخابات ناکام رہے)	۶ (۱/۴۷) (۲ نامزد شدہ)
۱۵۔ نادیا	۲۰	۱۵ (۳۹/۱)	۵ (۶۰/۲)
۱۶۔ بردوان	۱۶	۱۴ (۷۸)	۲ (۱۸/۵)
۱۷۔ مرشد آباد	۱۵	۷ (۴۵/۱)	۸ (۵۳/۶)
۱۸۔ فرید پور	۲۰	۸ (۳۶/۳)	۱۲ (۶۳/۵)
۱۹۔ مالدہ	۱۵	۸ (۴۰/۶)	۷ (۵۱/۶)

انتخابات ناکام رہے۔ سب نامزد ہوئے۔

۲۰۔ ہوڑا	۱۲	۱۰ (۷۹/۳)	۲ (۲۰/۳)
۲۱۔ بیربھوم	۱۶	۱۵ (۶۸/۱)	۱ (؟) (۳۵/۱)
۲۲۔ بنکورا	۱۰	۹ (۸۶/۳)	۱ (۴/۶)
۲۳۔ جیسور	۱۶	۱ (۳۸/۲)	۱۵ (۶۱/۷)
۲۴۔ ڈھاکہ	۲۲	۱۶ (۳۴/۲)	۶ (۶۵/۴)
۲۵۔ چٹاگانگ	۲۰	۰ (۲۲/۶)	۲۰ (۷۴/۸)
۲۶۔ دیناج پور	۱۸	۴ (۴۴/۱)	۱۴ (۴۹/۱)

قوسین میں دئے ہوئے اعداد کل آبادی کے ساتھ نسبت ظاہر کرتے ہیں۔

آل پارٹیز کانفرنس

منعقدہ

لکھنؤ۔ ۲۸ لغایتہ ۳۱ اگست ۱۹۲۸ء

خلاصہ کارروائی

آل پارٹیز کانفرنس کا چوتھا اجلاس بمقام لکھنؤ قیصر باغ کی بارہ دری میں ۲۸ سے ۳۱ اگست ۱۹۲۸ء تک کی تاریخوں میں منعقد ہوا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے علاوہ مندرجہ ذیل جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

آل انڈیا لبرل فیڈریشن

آل انڈیا مسلم لیگ

ہندو مہاسبھا

مرکزی خلافت کمیٹی

سنٹرل سکھ لیگ

ہوم رول لیگ

ہندوستانی عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس

جمعیتہ العلماء

ریاستوں کے لوگوں کی آل انڈیا کانفرنس

اسمبلی کی کانگریس پارٹی

اسمبلی کی نیشنلسٹ پارٹی

برٹش انڈین ایسوسی ایشن، اودھ

انڈین ایسوسی ایشن، کلکتہ

مہاراشٹر چیمبر آف کامرس

سندھ نیشنل لیگ

دکن سبھا

سوا ہندو مہاسبھا، سکھ اور مندرجہ ذیل صوبوں کی کانگریس کمیٹیاں :-

اجمیر، آندھرا، بہار، بنگال، برما، سی پی (ہندوستانی) سی پی (مرہٹی) دہلی، گجرات، کرناٹک، کیرلا، پنجاب، سندھ، صوبجات متحدہ، آتکل۔

متعدد نمائندوں کے پیام موصول ہوئے تھے جو شریک جلسہ نہ ہو سکتے تھے۔ ان میں عدم شرکت پر اظہار افسوس تھا اور کانفرنس کی کامیابی کی دعائیں۔ ملک کے تمام حصوں سے بڑی کثیر تعداد تاروں اور خطوں کی آئی تھی جس میں کانفرنس کی کامیابی کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔

کارروائی ۲۸ اگست کو دوپہر کے بعد ہی شروع ہوئی۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری صدر جلسہ تھے۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے میثاق لکھنؤ یاد دلایا اور امید ظاہر کی کہ اس کانفرنس کی کارروائیوں میں بھی وہی روح کارفرما ہوگی۔ انہوں نے اس توقع کا اظہار فرمایا کہ تمام جماعتیں نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی غیر مشروط تائید کریں گی۔

اس کے بعد جناب صدر نے جلسہ کو مخاطب فرمایا۔ انہوں نے نہرو کمیٹی کو مبارکباد دی اور اس انہاک کی تصدیق کی جس کے ساتھ کمیٹی کے صدر اور اراکین نے اس عہد آفریں کام کو انجام دیا ہے۔ اس رپورٹ کے ساتھ جو عظیم الشان معاملات وابستہ ہیں ان پر زور دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"ہندوستان کشمکش حریت کے بہت سے مختلف دوروں سے گذرا ہے لیکن اس ملک کی جنگ آزادی کی اس تاریخ میں جس میں دھوپ سے چھاؤں بھی، چڑھاؤ بھی ہیں اتار بھی کبھی یہ نہیں ہوا کہ سیاست کے تمام مذاہب کے نمائندے اس لئے یکجا ہوئے ہوں کہ اپنے دستور حکومت کا ٹھیک ٹھیک

خاکہ تیار کریں۔ یہ کام اب اس کمیٹی نے انجام دیا ہے یہ بجائے خود ایک تاریخی واقعہ ہے۔ پھر جب ہم پچھلے چند سال کے تاریک واقعات کی فضا پر نظر کرتے ہیں جب بس کبھی کبھی تاریکی صحرا میں روشنی پہنچانے کی بے اثر کوششیں ہوتی تھیں، جب اس انتشار مقاصد و اغراض پر نگاہ کرتے ہیں جنہیں ہم نے اپنی کو گم کر دیا تھا، اور ان دعوہائے نبرد آزمائی کو جو خود ملک کے اندر سے اور سات سمندر پار سے ہمیں دی جا رہی تھیں، جب ہم ان سب پر نظر کرتے ہیں تو اسکے کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ رپورٹ اور بھی اہم تاریخی واقعہ بن جاتی ہے۔ اراکین مجلس! ہم آج جو کچھ کریں گے اُسکے نتائج کل یا پرسوں ختم نہ ہو جائیں گے۔ وہ باقی رہیں گے اپنے مستقبل کا بنانا بگاڑنا خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے آج کے اعمال سے جو نتائج نکلیں گے انھیں اچھی طرح سمجھنا چاہیئے اور ان کی بابت غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔

آگے چل کر جناب صدر نے فرمایا کہ نہرو اسکیم ان ۳۰ کروڑ انسانوں کی آخری امید ہے جو پردیسی حکومت اور اندرونی منافقتوں کے دوہرے ناقابل برداشت عذاب میں مبتلا ہیں لیکن یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ رپورٹ غلطی اور خطا سے بری ہے۔

صدر نے اس اپیل کے ساتھ اپنی تقریر ختم کی: "جو نمایندے آج یہاں جمع ہوئے ہیں اگر ان کے ہاتھ میں ہندوستان کے فلاح کی کنجی ہے تو انھیں کے ہاتھ میں اس کی مصیبت اور ابتلا کے جاری رکھنے کی کنجی بھی ہے جواب اور بھی سخت ہو جائے گی۔ آپ پر یہ سخت ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک کو چن لیں کہ اس پر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہے میں دل سے امید کرتا ہوں کہ آپ ٹھیک فیصلہ کریں گے"۔ اس کے بعد صدر نے پنڈت موتی لعل نہرو سے رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا اور پنڈت نہرو نے باضابطہ طور پر رپورٹ کو کانفرنس کے سامنے پیش کیا۔

لالہ لاجپت رائے نے پھر مندرجۂ ذیل تجویز پیش کی :-

۱۔ کہ "یہ کانفرنس اس کمیٹی کے صدر جو اس کانفرنس نے ہندوستان کے دستور اساسی کے

تعین کے لیے مقرر کی تھی یعنی پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے ساتھی سر علی امام، سر تیج بہادر سپرو مسٹر آسینے، سردار منگل سنگھ، مسٹر شعیب قریشی، مسٹر سوبھاس بوس، اور مسٹر جی۔ پردھان اراکین کے کام پر اپنی احسانمندی اور پسندیدگی کا اظہار کرتی ہے۔"

اس تجویز کی تائید مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمائی۔ تجویز کی موافقت میں پنڈت مدن موہن مالوی، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر انی بیسنٹ، مسٹر جے۔ ایم سین گپتا، مولوی محمد یعقوب۔ مسز سروجنی نائڈو، مسٹر سی۔ وجیا راگھواچاریار، گیانی شیر سنگھ، راجہ سر رامپال سنگھ، مولانا احمد سعید مسٹر سی۔ وائی۔ چنتا منی، مسٹر م۔ چھاگلہ، چودھری بہاری لال، اور مسٹر طفیل احمد نے تقریریں کیں۔ کانفرنس کے ایک رکن، مسٹر حسرت موہانی نے تجویز کی مخالفت کی۔ تجویز صرف ایک رائے کی مخالفت کیساتھ منظور ہوئی۔

پنڈت موتی لال نہرو اور سر علی امام نے کمیٹی کی طرف سے کانفرنس کا شکریہ ادا کیا۔

دوسری تجویز پنڈت مدن موہن مالوی نے پیش کی۔ تجویز حسب ذیل تھی:-

۲- "اُن سیاسی جماعتوں کی آزادی عمل کو محدود کیے بغیر جن کا مقصد کامل خود مختاری ہے یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ

(۱) ہندوستان میں حکومت کی جو شکل قائم ہو وہ ذمہ دار حکومت ہونی چاہیے یعنی ایسی حکومت جس میں قوت عاملہ ایسی جمہور کی منتخب کردہ قوت قانون ساز کے سامنے ذمہ دار ہو جسے تمام اور کامل اختیارات ہوں۔

(۲) یہ حکومت کسی صورت میں خود مختار نوآبادیوں کی حکومت سے کم درجہ کی نہ ہوگی۔"

سر سی۔ پی۔ راماسوامی آئر نے اس تجویز کی تائید کی اور سر تیج بہادر سپرو نے تائید مزید۔ اس تجویز پر مباحثہ ختم نہیں ہوا تھا کہ کانفرنس کا جلسہ اگلے دن کے لیے ملتوی ہو گیا۔

دوسرا دن ۲۹-اگست

پنڈت مدن موہن مالوی کی تجویز بابتہ " درجہ نوآبادی " پر مباحثہ جاری رہا۔ پنڈت جواہر لال نے درجہ نوآبادی کی مخالفت کی اور کہا کہ منزل مقصود خود مختاری ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کی طرف سے جو خود مختاری کے حامی ہیں انھوں نے ذیل کا بیان پڑھا:-

" ہم اس بیان پر دستخط کرنے والے، یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہندوستان کے دستور کی بنیاد کامل خود مختاری پر ہونی چاہیے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جو تجویز آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے پیش کی گئی ہے وہ اپنے حامیوں کو ایسے دستور کا پابند کر دیتی ہے جو اُس حیثیت پر مبنی ہو جسے درجہ نوآبادیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ہم اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اس لیے نہ ہم اس تجویز کی تائید کر سکتے ہیں نہ اسے قبول کر سکتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تجویز کی تمہید میں ہمیں یہ حق دیا گیا ہے کہ ہم خود مختاری کی موافقت میں اپنا کام جاری رکھیں لیکن یہ تمہید کسی طرح سے اس پابندی کو ہلکا نہیں کرتی جو تجویز کے دوسرے حصّہ سے عائد ہوتی ہے۔

لیکن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کانفرنس کے کام میں حارج نہ ہوں نہ اس میں رکاوٹ ڈالیں۔ لیکن ہم اس مسئلہ پر اپنی سوچی سمجھی رائے کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں اور اس خاص تجویز سے جہاں تک کہ یہ " درجہ نوآبادی " کے قبول کرنے پر ہمیں پابند کرے اپنے کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس تجویز کے سلسلے میں جو کارروائی ہوگی اُس میں کوئی حصہ نہ لینگے نہ ہم ترمیمیں پیش کریں گے اور نہ اس پر رائے دیں گے۔ کامل خود مختاری کی موافقت میں ہم جو کچھ کام ضروری اور مناسب سمجھیں گے اُسے جاری رکھیں گے۔"

مولانا کفایت اللہ، مولوی محمد شفیع، مسٹر سبھاس چندر بوس، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر محمد عالم، مسٹر ٹی۔ وشواناتھن، اور سردار سردول سنگھ نے مباحثہ میں حصّہ لیا۔

مسٹر حسرت موہانی نے ایک ترمیم پیش کی کہ تجویز کا دوسرا حصہ حذف کر دیا جائے۔ چونکہ کوئی موید نہ تھا اس لیے یہ ترمیم رد ہوگئی۔

پنڈت مالوی جب جواب دے چکے تو تجویز پر رائے لی گئی اور یہ نعرہائے مسرت کے ساتھ منظور ہوئی۔

کانفرنس کا جلسہ اگلے روز کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

تیسرا دن ۳۰ اگست

کانفرنس میں تیسری تجویز مسٹر منی لال کوٹھاری نے پیش کی یہ ہندوستانی ریاستوں کے متعلق تھی اور اس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

۳۔ "یہ کانفرنس ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کمیٹی کی سفارش کو پسند کرتی ہے"

مسٹر پاٹھک نے اس کی تائید کی۔ سر تیج بہادر سپرو، مولانا ظفر علی خاں اور پنڈت مدن موہن مالوی نے بھی تجویز پر تقریریں کیں اور یہ باتفاق رائے منظور ہوئی

کارروائی یہاں تک پہونچی تھی کہ صدر نے اعلان کیا کہ مسئلہ سندھ پر ایک سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ اس اعلان پر بہت اظہار مسرت و پسندیدگی کیا گیا صدر نے اس سمجھوتہ کو ایک تجویز کی شکل میں کرسی صدارت سے پیش کیا۔ تجویز کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

۴۔ " نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق حکومت کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ سندھ بمبئی سے جدا کر دیا جائے گا اور ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے گا بشرطیکہ

(۱) تحقیقات کے بعد یہ معلوم ہو کہ

(الف) سندھ مالی اعتبار سے کافی بالذات ہے۔

(ب) یا جب یہ معلوم ہو کہ وہ مالی اعتبار سے کافی بالذات نہیں ہے تو

اگر علیحدگی کی تجویز اپنی مالی اور انتظامی حیثیتوں میں اہل سندھ
کے سامنے پیش کی جائے اور باشندوں کی اکثریت اس تجویز
کی موافقت کرے اور نئے انتظام کی مالی ذمہ داریوں کو برداشت
کرنے پر آمادگی ظاہر کرے :-

(۲) سندھ میں حکومت کی شکل وہی ہو جو اس دستور کے ماتحت
دوسرے صوبوں میں ہو گی -

(۳) سندھ کی غیر مسلم اقلیت کو صوبہ کی اور مرکزی مجالس قانون ساز میں
نیابت کے متعلق وہی رعایتیں حاصل ہوں گی جو مسلمان اقلیتوں
کو نہرو کمیٹی رپورٹ کی رو سے ان صوبوں میں دی گئی ہیں جہاں
مسلمان اقلیت میں ہیں"

تجویز بہ اتفاق رائے اور نعرہائے تحسین کے ساتھ منظور ہوئی -

پانچویں تجویز صوبوں کی از سر نو تقسیم کے متعلق تھی - اسے پنڈت دوارکا پرشاد مصر
نے پیش کیا اور مولوی عبدالمجید نے اس کی تائید کی -

متعدد ترمیمیں بھیجی گئی تھیں لیکن بالآخر ایک متفقہ تجویز جس میں بعض ترمیمیں شامل
کر لی گئی تھیں کانفرنس کے سامنے پیش کی گئی اُسکے الفاظ یہ تھے -

۵ — صوبوں کی تقسیم نو اور اُن کی حیثیت کے متعلق رپورٹ کی سفارشات پر غور
کرنے کے بعد یہ کانفرنس انہیں متفقہ دستور کے ضروری جزو کی حیثیت سے منظور کرتی ہے -
اور سفارش کرتی ہے مسودہ دستور کے دفعہ ۷۲ میں جس کمیشن کا ذکر ہے وہ مذکورہ
سفارشات کے اصولوں کے مطابق اور ایسی کمیٹی یا کمیٹیوں کی مدد سے جن کا [illegible]
مناسب سمجھے -

(الف) تمام ضروری کارروائیاں کرے تاکہ کرناٹک اور اندھرا [illegible]

صوبے بنا دیئے جائیں۔

(ب)(ب) مختلف صوبوں کے اوڑیہ بولنے والے علاقوں کو متحد کرنے اور اس متحدہ رقبہ کو علیٰحدہ صوبہ بنانے کی تدابیر اختیار کرے اگر اس رقبہ کے باشندے اس مالی بار کو برداشت کرنے کے قابل یا اسے برداشت کرنے پر آمادہ ہوں جو علیٰحدگی کا لازمی نتیجہ ہے۔

(ج) ہندوستانی سی۔پی، کیرلا، اور دوسرے لسانی رقبوں کے متعلق رپورٹ کرے۔ جو علیٰحدہ صوبے بننے کی خواہش کرتے ہوں۔

(د) آسام اور بنگال، بہار اور اڑیسہ، ہندوستانی سی پی، کیرلا، اور کرناٹک کی حدود کو کمیٹی کے پیش کردہ اصولوں کے مطابق از سرنو متعین کرے۔"

صدر نے اس تجویز کو کرسی صدارت سے پیش کیا اور یہ باتفاق رائے منظور ہوئی۔

اس کے بعد لالہ لاجپت رائے نے ایک تجویز پیش کی کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ میں جو دستور اساسی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اُسے اُصولاً قبول کیا جائے۔ اس کی تائید مسٹر اے رنگا سوامی آینگر نے کی اور تائید مزید مسٹر بپن چندر پال نے۔ مسٹر چھاگلہ نے ترمیم دستور کے متعلق ایک ترمیم پیش کی۔ بعد کو مسٹر چھاگلہ کی ترمیم میں تبدیلی کر دی گئی اور اسے کانفرنس نے ایک علیٰحدہ تجویز کی صورت میں ۳۱ اگست کو منظور کیا۔ یہ تجویز اس دن کی کارروائی میں درج ہے۔

اس کے بعد کانفرنس کا جلسہ ۳۱ اگست کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

چوتھا دن - ۳۱ راگست

لالہ لاجپت رائے کی قرارداد پر بحث و مباحثہ جاری رہا۔ مسٹر دیپا رگھو آچاریا نے ایک ترمیم پیش کی جس میں تجویز کیا تھا کہ کل رپورٹ کو اصولی حیثیت سے منظور کرنے کے بجائے اس کے ایک ایک ٹکڑہ پر علیحدہ علیحدہ غور کیا جائے، اس کی تائید مسٹر وسوا ناتھن نے اور مسٹر بپن چندر پال نے اس کی مخالفت کی۔

اس کے بعد لالہ لاجپت رائے کی قرارداد پر بحث و مباحثہ ملتوی کر دیا گیا اس وجہ سے کہ خبر آئی کہ پنجاب کے مسئلہ پر پنجابی نمائندوں نے ایک سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کی قرارداد کو کچھ ترمیم کے ساتھ بعد کو پیش کیا گیا۔

پنجاب کے سمجھوتہ کے متعلق صدر کے اعلان کا کانفرنس نے مسلسل نعرہائے مسرت سے خیر مقدم کیا۔ اس سمجھوتہ پر حسب ذیل حضرات کے دستخط تھے: ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا ظفر علیخاں، ڈاکٹر محمد عالم، مسٹر عبدالرحمٰن غازی، محمد داؤد غزنوی، مسٹر افضل حق، مسٹر سراج الدین پراچا، مسٹر عبدالقادر قصوری، مسٹر حسام الدین، سردار سردول سنگھ کاویشر، لالہ لاجپت رائے، لالہ دونی چند، پنڈت نیکی رام شرما، ڈاکٹر ستیہ پال، لالہ گردھاری لال۔

ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی شیر سنگھ نے اپنا ایک بیان اس سمجھوتہ کے ساتھ شامل کیا۔

جناب صدر نے یہ سمجھوتہ اور بیان کانفرنس کی منظوری کے لئے پیش کیا۔ سمجھوتہ اور بیان حسب ذیل ہے:-

۱۔ نہرو کمیٹی کی تجویز کردہ اسکیم کے نفاذ کے ساتھ ہی مسلمانان پنجاب کمیٹی مذکور کی ان سفارشات کو تسلیم کرتے ہیں جن کا تعلق فرقہ وارانہ نمائندگی سے ہے جس میں مخلوط انتخاب شامل ہے۔ بلا اس کے کہ صوبہ پنجاب کے کسی فرقہ کے لئے نشستوں کا تحفظ کیا جائے بشرطیکہ ہر بالغ کو ووٹ دینے کا حق دیا جائے۔ نیز اس شرط سے کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے مسئلہ پر دس سال کے بعد دوبارہ غور کرنے کا حق ہوگا، اگر

مجوزہ طریقہ پر مدت مذکور تک عمل کرنیکے بعد کوئی فرقہ اس کی خواہش کرے

ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی شیر سنگھ کا بیان :-

(۱) ہم سکھ دستخط کنندگان ہذا نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی تائید کرتے ہیں بشرطیکہ پنجاب میں انتخاب کا طریقہ نمائندگی بہ اعتبار تناسب کے اصول پر ہو۔

(۲) ہم اس سے متفق ہیں کہ ہر بالغ کو حق رائے دینا سب سے زیادہ جمہوری اصول ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں یہ بالکل ناقابل عمل ہے اور قبل از وقت ہے۔

(۳) بہرکیف اگر فوراً ہر بالغ کو حق رائے دینے کا فیصلہ ہو جائے تو ہمارے اظہار خیال کو بھی درج کر لیا جائے۔

ہم یہ صاف طور پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر بالغین کو حق رائے دیا گیا تو ہم لوگ اسکو وجہ شکایت نہیں بنائیں گے اسوجہ سے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر بالغ کو حق رائے دینا جمہوری اصول پر مبنی ہے اور ہم یہ مانتے ہیں کہ بالغین کو حق رائے دینے کے بالواسطہ یا براہ راست یہ معنی نہیں ہیں کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے جس کے ہم سخت مخالف ہیں۔

مولانا شوکت علی نے ایک بیان دیا کہ مرکزی خلافت کمیٹی نے اسوقت تک اپنی اصلی قرار داد کو جہاں تک کہ اسکا تعلق پنجاب کے سمجھوتے سے ہے تبدیل نہیں کیا ہے اور اس لئے وہ اسی پر قائم ہے۔ ڈاکٹر محمد عالم اور عبدالقادر قصوری نے مولانا شوکت علی سے اختلاف کیا اور کہا کہ مرکزی خلافت کمیٹی نے مولانا شوکت علی کو اس بیان کے لئے مجاز نہیں کیا تھا جو انہوں نے دیا ہے۔

پھر کانفرنس نے پنجاب کے سمجھوتہ پر ... کا اظہار کیا اور نعرہ ہائے مسرت کیساتھ اسکو قبول کر لیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر اینی بسنٹ اور مسز سروجنی نائیڈو نے مجلس کو مخاطب کیا اور تمام جماعتوں کو اور ملک کو مبارکباد دی کہ ایک بڑا جھگڑا خوش آئند طریقہ پر ختم ہو گیا۔ ہندوستان کا اتحاد اور ہندوستان کے جذبۂ آزادی کو فرقہ پروری پر فتح ہوئی۔

مسٹر اکرم خاں اور مسٹر سین گپتا نے قاعدہ کے طور پر بنگال کے ہندو مسلمانوں کیطرف سے رپورٹ

کی ان دفعات کو قبول کیا جو بنگال کے متعلق تھیں۔

دستور اساسی میں ترمیم کرنیکے متعلق مسٹر چھاگلہ کی تجویز پر کچھ بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر حسب ذیل قرار داد بالاتفاق منظور ہوئی :-

۷ "یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ نہرو کمیٹی کو مجاز کیا جائے کہ وہ اپنی سفارشات کی دفعہ ۸۷ پر دوبارہ غور کرے اور اسمیں ایسی ترمیم کرے کہ جہانتک دستور اساسی میں ترمیم کرنیکے قاعدہ کا تعلق ہو مرکزی مجلس قانون ساز میں مختلف اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔ اس کے بعد کانفرس نے حسب ذیل قرار داد بالاتفاق منظور کی :-

۸ "ہندوستانی ریاستوں کا کوئی باشندہ جو معمولاً دولت مشترکہ ہند کے علاقوں میں رہتا ہو یا تجارت کرتا ہو اس کو دولت مشترکہ ہند کے باشندوں کے کل حقوق حاصل ہوں گے" اس کے بعد مولوی شفیع داؤدی نے تحریک کی کہ دولت مشترکہ ہند کی زبان ہندوستانی ہونی چاہئے جو اردو اور ہندی رسم الخط میں ہو۔ اسپر کچھ مباحثہ ہوا اور کئی ترمیمیں پیش کی گئیں بالآخر مندرجہ ذیل قرار داد بالاتفاق منظور ہوئی:-

۹ "آل پارٹیز کانفرنس کی کمیٹی حسب ذیل باتوں پر غور کر کے رپورٹ کرے۔

(۱) اقلیتوں کے اس حق کا تحفظ کہ وہ اپنے بچوں کو مدارس میں اپنی ہی زبان کے ذریعہ تعلیم دلائیں اور اس رسم الخط میں جو ان میں رائج ہو۔

(۲) ہندوستانی زبان کا دولت مشترکہ کی زبان کی حیثیت سے استعمال اور اردو یا ہندی رسم الخط کا استعمال بطور عام رسم الخط کے اور انگریزی زبان کے استعمال کی اجازت۔

(۳) ہر صوبہ میں اس صوبہ کی زبان کا بطور سرکاری زبان کے استعمال کی اور ہندوستانی یا انگریزی زبان کے استعمال کی آزادی۔

اس کے بعد پنڈت مدن موہن مالویہ نے تجویز کی کہ حسب ذیل دفعہ "اعلان حقوق" میں شامل کر لیجائے۔

۱۰ "ذاتی اور شخصی املاک پر وہ تمام حقوق جو قانوناً حاصل کئے گئے ہوں اور جو دولت مشترکہ ہند کے قیام کے وقت لوگوں کو حاصل ہوں انکے تحفظ کی ضمانت کیجاتی ہے"

اس تجویز کی مخالفت کی گئی لیکن کچھ بحث و مباحثہ کے بعد کثرت آراء سے منظور کی گئی۔ کانفرنس نے کثرت رائے سے یہ بھی منظور کیا کہ :۔

۱۱۔ "اعلان حقوق کی دفعہ ۲ ایس "بیکاری" کے لفظ کے بعد یہ اضافہ کر دیا جائے کہ "اور پارلیمنٹ ایسے قوانین بھی وضع کرے گی جس سے کاشتکاروں کے معقول لگان، اور حقیقتاً آراضی کے استقلال اور تعین کی ضمانت ہو سکے"

کانفرنس نے بالاتفاق منظور کیا کہ :۔

۱۲۔ "رپورٹ کے صفحہ ۱۲۵ پر سفارش نمبر ۲ میں "شمالی مغربی صوبہ" کے بعد "بلوچستان" کا اضافہ کر دیا جائے"

اسکے بعد لالہ لاجپت رائے کی تحریک پر پھر بحث شروع کی گئی کہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کو اصولی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ اس قرارداد میں کافی اضافہ بھی کر دیا گیا تھا۔ اور اس پر جو ترمیمیں پیش ہوئیں وہ نامنظور ہوئیں اور بالآخر یہ قرارداد حسب ذیل صورت میں صرف ایک رائے کے اختلاف سے منظور ہوئی :۔

۱۳۔ یہ کانفرنس اس رپورٹ پر غور کرنے کے بعد جو نہرو کمیٹی کی طرف سے پیش کی گئی ہے اس دستور اساسی کو اصولی حیثیت سے منظور کرتی ہے جس کا خاکہ رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کانفرنس قرار دیتی ہے کہ نہرو کمیٹی دوبارہ مقرر کی جائے اور اس کو دیگر اراکین شامل کرنے کا اختیار دیا جائے۔ نیز اسکو مجاز کیا جائے کہ ایک پارلیمنٹری مسودہ نگار کو منتخب کرے اور اس کو ہدایت کرے کہ جس دستور اساسی کا خاکہ اس نے تیار کیا ہے اور جسکی اس نے سفارش کی ہے اور جس صورت میں کہ وہ کانفرنس میں منظور کیا گیا ہے۔ مع اُن تمام ضروری ضمنی اور ذیلی دفعات کے جو اس سے نتیج ہوں ایک مسودہ کی صورت میں ترتیب دے۔ جو تمام سیاسی، تجارتی، مزدوروں کی انجمنوں اور ملک کی اُن تمام دیگر انجمنوں کے نمائندوں کے ایک جلسہ میں پیش کیا جائے جو اس کانفرنس میں موجود ہیں، اور ان دوسری انجمنوں کے نمائندوں کے سامنے جو کم از کم دو سال سے قائم ہیں۔ اس شرط کے ماتحت کہ نہ کوئی ایسا اضافہ کیا جائیگا۔ نہ ترمیم جو اس کانفرنس کے سمجھوتہ اور فیصلوں کے مخالف ہوں۔

کمیٹی مذکورہ بالا جلسہ کو کسی ایسی تاریخ پر منعقد کرنے کے لئے جو وہ مقرر کرے، تمام ضروری کارروائی کرے گی۔

مسودہ قانون تیار کرتے وقت کمیٹی رپورٹ کے ضمیمہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ کو بھی پیش نظر رکھے گی اور کمیٹی مجاز ہے کہ مذکورہ ضمیموں میں ایسی ضروری تبدیلیاں کرے جو وہ مناسب خیال کرے۔"

ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی شیر سنگھ نے اس قرارداد کے متعلق حسب ذیل بیان دیا:۔

"ہم اس قرارداد کو قبول کرتے ہیں لیکن اس بیان کے ماتحت جو ہم نے پنجاب کے سمجھوتہ کے متعلق پیش کیا ہے۔"

آل انڈیا انڈین کرسچین کانفرنس کی طرف سے مسٹر ایس احمد شاہ نے حسب ذیل بیان دیا:۔

"ہندوستانی عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس نہایت پرزور طریقہ پر اپنا معاملہ آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے پیش کرتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ چونکہ شمالی مغربی صوبہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی اکثریت رکھنے والی جماعت (ہندوؤں) کے لئے خاص حقوق تسلیم کئے گئے ہیں۔ دیگر صوبجات ہند میں سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کے لئے جہاں کہیں وہ اقلیت میں ہیں انکے لئے خاص حقوق تسلیم کئے گئے ہیں اور آخر میں ایک خاص دفعہ پنجاب میں سکھوں کی نمائندگی باعتبار تناسب کے لئے رکھی گئی ہیں اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ۔

انصاف اور حق کے نام پر مجالس قانون ساز میں اسی طرح کا حق نمائندگی ہندوستان کی تیسرے درجہ کی سب سے بڑی اقلیت رکھنے والی جماعت یعنی عیسائیوں کو بھی دیا جائے۔"

صاحب صدر نے حسب ذیل قرارداد کرسی صدارت سے پیش کی:۔

۱۴۔ یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ مذکورہ بالا قراردادوں میں جو سمجھوتہ کیا گیا ہے وہ اس سفارش پر مبنی ہے کہ نہرو رپورٹ میں جس اسکیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور جس کو اس کانفرنس نے منظور کر لیا ہے۔ اسپر مجموعی حیثیت سے عمل درآمد ہوگا، اسلئے کہ اسکی مختلف دفعات ایک دوسرے پر موقوف ہیں۔ اور تمام جماعتیں جو اس کانفرنس میں موجود ہیں وہ متفق ہیں کہ انمیں سے ہر ایک اس کی کلی حیثیت پر قائم رہے گی اور کسی

ایک حصہ کو بغیر دوسرے حصص کے کلی نفاذ کے قبول کرنے سے انکار کر دیگی۔

اس شرط کے ساتھ اس اسکیم میں کوئی تبدیلی تمام جماعتوں کی منظوری اور رضامندی سے کیجا سکتی ہے۔"

یہ قرار داد صرف ایک رائے کے اختلاف سے منظور کیگئی۔ دوسری اور آخری قرار داد بھی صدر کیطرف سے پیش کیگئی، وہ حسب ذیل ہے:۔

۱۵ "یہ آل پارٹیز کانفرنس مسز نائڈو سے درخواست کرتی ہے اور انکو مجاز کرتی ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کیطرف سے پیغام تبریک و تہنیت ممالک مغرب کے باشندوں کو پہنچا دیں جہاں وہ عنقریب جانیوالی ہیں اور یہ کہ اپنی آزادی کے لئے ہندوستان عزم راسخ کر چکا ہے جس سے تمام عالم کے لئے امن کی فضا پیدا ہو جائیگی"

پنڈت مدن موہن مالویہ نے صاحب صدر کے شکریہ کی تجویز پیش کی۔ مہاراجہ محمود آباد نے اس کی تائید کی اور کانفرنس نے پرجوش نعرہائے مسرت سے اسکو منظور کیا۔ صاحب صدر نے اس کے جواب میں تقریر فرمائی۔

پنڈت موتی لال نہرو نے لکھنؤ کے ان تمام لوگوں کے لئے شکریہ کی تحریک پیش کی جنہوں نے کانفرنس کے لئے ضروری انتظامات میں حصہ لیا، اور اسمیں کام کیا اور مسز نائیڈو نے اسکی تائید کی اور جلسہ نے اس قرار داد کو پرزور تالیوں کے ساتھ منظور کیا۔

اس کے بعد صاحب صدر نے جلسہ کے ختم کا اعلان کیا۔